New Era Magazine

سانسوں کی مالا پہ

افراء صغیر احمد

www.neweramagazine.com

نظر کے سامنے ایک راستہ ضروری ہے
بھٹکتے رہنے کا بھی سلسلہ ضروری ہے
تعلقات کے نام معتبر حوالوں میں
تمام عمر کا اک رابطہ ضروری ہے

اس کا دل خوف سے بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔

''مائی گاڈ! یہ میں کہاں آ گئی؟ لائٹ بھی چلی گئی۔'' اس نے بدحواسی سے ادھر اُدھر دیکھا' جہاں گہرا اندھیرا لوڈشیڈنگ کے باعث چھا گیا تھا اور جو رخسار، رابیگا رخشی وغیرہ کے پاس سے اٹھ کر باہر کی طرف جا رہی تھی معاً راستوں سے واقفیت نہ ہونے کے باعث اس حصے میں آ گئی تھی جس کی خوف ناک کہانیاں آج ہی رابیکا نے سنائی تھیں اور جن کو سن کر وہ دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ کبھی غلطی سے بھی وہ انیکسی کی طرف نہیں جائے گی اور .....اسے قسمت کا مذاق کہیں یا تقدیر کی ستم ظریفی وہ اندھیرے کے باعث انیکسی کے اردگرد پھیلے جھاڑ جھنکار بنے اجڑے لان میں کھڑی تھی۔

چند قدم کے فاصلے پر کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا مگر گہرے اندھیرے کی وجہ سے کچھ نمایاں نہ تھا ایک خاموشی تھی جو کسی کے نہ ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ وہ چند لمحے ساکت کھڑی اس کی غیر موجودگی کی سن گن لیتی رہی اور یقین ہونے کے بعد دبے دبے قدموں سے آگے بڑھتی تھی اور تیسرے قدم پر ہی کسی شے سے الجھ کر گری تھی۔ بے اختیار چیخ اس کے حلق سے برآمد ہو کر خاموشی کو چیرتی چلی گئی۔

''کون ہے.....؟'' مردانہ بھاری آواز کمرے کے کسی خفیہ حصے سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ جو بے اوسان گری تھی کسی نوکیلے پتھر کی چوٹ سے تڑپ اٹھی اندر سے برآمد ہونے والی سرد مہر و سپاٹ آواز اس کے خوف کو بڑھانے کے لیے کافی تھی۔ اندر سے قدموں کی آہٹیں ابھرنے لگی، ساتھ ہی اندرونی کسی دروازے کی چرچراہٹ کی واضح آواز آئی تھی۔ وہ ساری طاقت بمشکل یکجا کر کے اٹھ کھڑی ہوئی' دل کی دھڑکنیں مارے دہشت کے بپھری ہوئی تھیں اور سماعتوں میں کچھ دیر قبل کی باتیں گونج رہی تھی۔

''ہماری یہ باتیں ہمیشہ یاد رکھنا ڈیئر! کبھی بھول کر بھی انیکسی میں نہ جانا۔''

''انیکسی میں......کون رہتا ہے وہاں؟'' اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

''وولف......'' ان سب کے لہجے معنی خیز تھے۔

''ہنٹر ودمن......'' رخسار کے لہجوں میں نفرت تھی۔

''ابلیس اعظم!'' رابیکا اور رخشی کے بھی یہی تاثرات تھے۔

''وہ انسان نما بھیڑیا ہے جس کی خوراک فقط نوخیز وجوان لڑکیوں کی ناموس ہے۔ اس کی ہوس سے یہاں کی ملازمائیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔''

قدموں کی چاپ کے ساتھ ساتھ اندر سے ایک روشنی کا دائرہ بھی باہر آرہا تھا اور اسے زندگی سے زیادہ آبرو عزیز تھی کہ جس پر ایک بار داغ لگ جائے تو پھر کبھی بھی مٹتا نہیں ہے۔ وہ بدحواسی میں بھی اپنے حوصلوں کو مجتمع کرتی لنگڑاتی ہوئی تیز تیز چلتی وہاں سے ایک درخت کے چوڑے تنے کے پیچھے چھپی تھی۔ اسی دم جنریٹر آن ہوا تھا' ہر سو روشنی بکھر گئی تھی اور وہ بھی موبائل پکڑے باہر نمودار ہوا تھا' بلند وبالا سمارٹ قد و قامت......سرخ وسپید رنگت، چہرے کے نقوش دلکش تھے۔ بڑھی ہوئی شیو نے خط کی صورت اختیار کرلی تھی اس نے ٹراؤزر اور بنیان زیب تن کیا ہوا تھا' گلے میں پڑا ٹاؤل اس کے باتھ روم سے برآمد ہونے کا پتا دے رہا تھا۔ وہ ایکسرسائز کا عادی تھا دور سے ہی اس کے بازوؤں کے مسلز نمایاں تھے۔ اس کی وجاہت کو جو شے زیرو کر رہی تھی وہ اس کے چہرے پر چھائے آنکھوں سے لپکتے وغضب ناک آگ کے شعلے سے تھے۔ وہ کسی خونخوار درندے کی مانند شکار کی بوسونگھ رہا تھا' چند لمحے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ اس درخت کے سامنے چلا آیا اور اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ وہ بے دم ہوکر گرنے کو تھی کہ اچانک ہی اس کی سیل فون بج اٹھا اور وہ جو اس طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ چونک کر رک گیا اور فون کان سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے نم بالوں میں ٹاول رگڑتا انیکسی کی طرف چل دیا تھا۔ وہ دم سادھے تنے کی جھری سے اسے وہاں سے جاتے دیکھتی رہی اور اندر جاتے ہی اس نے تیزی سے دروازہ بند کرلیا تھا۔

☆.........☆.........☆

''اماں بی......آپ سے لاکھ بار کہہ چکی ہوں' ابوبکر کو یہاں آنے سے منع کردیں۔ کیوں آتا ہے وہ یہاں؟ کون ہے اس کا اور کس کی خاطر آتا ہے وہ؟'' وہ نماز ادا کرکے بیٹھی تھیں معاً رباب بیگم غصے میں وہاں آکر گویا ہوئیں۔

''رشتے تو اس گھر سے اس کے سارے سلامت ہیں' یہ علیحدہ بات ہے کہ خون میں سرخی کی جگہ سفیدی آگئی ہے لیکن یہ مت بھولو نہ میرا رشتہ کمزور ہوا ہے نہ ہی خون میں سفیدی داخل ہوئی ہے اور نہ کبھی ہوگی۔ ابوبکر کو یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا' اس گھر میں اس کا حصہ ہے اور وراثت میں بھی بڑے حصے کا

مالک ہے وہ۔'' دھان پان سی' ضعیف ونزار اماں بی کے لہجے میں بڑا جاہ وجلال تھا۔

''بہت عجیب ہیں آپ اماں بی! آپ ہمیشہ سے اس کی حمایت لیتی ہیں جو آپ کا سگا خون نہیں ہے۔ جو آپ کا وارث نہیں ہے''۔

''سب دیکھ رہی ہوں اپنے اور پرائے کی محبت کو میرے اپنے بیٹوں کو ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے کبھی خیر خبر لینے کی توفیق نہیں ہوتی اور وہ میری عطیہ کا بیٹا! جو بیٹی کا بیٹا ہونے کے باعث میرا خون' میرا وارث نہیں ہے مگر......میرے خون سے بڑھ کر ہے وہ۔''

''ہونہہ......کیسی کالک ملی تھی اس نے آپ کے منہ پر' کس شان سے اس خاندان کی عزت کی دھجیاں اڑائی تھیں۔ یہ بھول گئی ہیں آپ اماں بی۔'' رباب کی آنکھیں ہی نہیں زبان بھی شعلے اُگل رہی تھی۔ اماں بی کی زبان ایک دم ہی پتھرا گئی' تنی گردن جھک گئی۔

''ہاں ہاں' اب کیوں خاموش ہوگئی ہیں آپ؟ لیں نا حمایت اس بدکردار اور آوارہ کی۔ میں کہتی ہوں آپ خود اسے اپنی زبان میں یہاں آنے سے منع کردیں، اگر میں نے اپنے انداز میں منع کیا تو پھر آپ کو ہی شکایت ہوگی میری بدزبانی سے۔'' وہ بل کھا رہی تھی۔

''یہ حسرت تمہاری حسرت ہی رہے گی بہو! میری زندگی میں ابوبکر کو یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

''اس گھر میں ہماری جوان بچیاں رہتی ہیں۔''

''بس......اب ختم کرو اس فضول بحث کو' ہفتوں بعد میرا بچہ گھر آتا ہے اور تم لوگوں کی بکواس شروع ہوجاتی ہے۔ گھر سے الگ تھلگ انیکسی میں رہتا ہے وہ پھر بھی تم لوگوں کے دکھڑے ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔'' اماں بی نے حتمی لہجے میں کہتے ہوئے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے ان کی طرف سے کروٹ بدل لی تھی۔

یہ واضح اشارہ تھا رباب بیگم کو وہاں سے چلے جانے کا۔ انہوں نے گھور کران کی پشت کو دیکھا اور بولی تھیں۔

''ٹھیک ہے دل کھول کر کرلیجیے آپ اپنی من مانیاں اماں بی......مگر یہ بھی یاد رکھیے گا اب اگر آپ کے اس عیاش لاڈلے نے انگلی تو درکنار کسی بچی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی تو......''

''شاید تم بھول رہی ہو بہو! یہ میرے قیلولے کا ٹائم ہے پھر میری عمر ایسی نہیں ہے کہ لیٹوں اور سوجاؤں میری عمر میں ویسے ہی نیند کم ہوجاتی ہے اگر ابھی نہ سوئی تو پھر نیند آئے گی نہ سر میں درد ختم ہوگا۔'' وہ آنکھیں بند کرکے بولیں۔

''بڑھیا! میری خواہش ہے تو ابھی سوئے تو قیامت میں ہی بیدار ہو۔'' وہ سوچتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆.........☆.........☆

بڑا دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو بیاں بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے
اسے کتنا بتانا ہے
اسے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کر ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کر رونا ہے
اس آنچل کو کتنا بھگونا ہے
کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کہاں رستہ بدلنا ہے
کہاں سے لوٹ آنا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے

''جنت..... او جنت' ارے کہاں مرگئی کم بخت۔'' شریفہ اسے پکارتی ہوئی کچن کی دہلیز پر چڑھ آئی تھی جہاں وہ آٹا گوندھتے ہوئے کل رت والے واقعے میں گم تھی۔

''جی..... جی چھوٹی ماں!'' وہ ہڑبڑا کر حال میں واپس آئی۔

''جی ماں کی بچی کب سے آوازیں لگا رہی ہوں تجھے اور تو نامعلوم کس یار کے خیالوں میں گم ہے جو ایک آواز نہ سنائی دی تجھے۔'' اس نے غصے سے جھنجھلا کر لات اس کی پنڈلی پر ماری تھی جو عین اس زخم پر لگی جو کل پتھر کی نوک چبھنے سے خوب گہرا لگا تھا اور ٹانگ بری طرح اکڑ گئی تھی۔

''دن بدن میرے ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے' تو بتا کون ہے وہ..... کس سے چکر چلا رہی ہے؟ کس کے ساتھ بھاگنے کے منصوبے بنا رہی ہے بے غیرت۔'' تیز تیز آنے کی وجہ سے بھاری بھرکم وجود میں سانسوں کی آمد و رفت سمندر میں ڈوبتی ابھرتی ناؤ کی مانند تھی۔ اس نے دوسری ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ کی آواز نہیں سنی چھوٹی ماں!'' وہ زخم میں اٹھتی ٹیس دباتی گویا ہوئی تھی مگر وہ جواباً اسے صلواتیں سناتی رہی تھی۔

آٹا گوندھنے سے روٹی پکانے تک وہ صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھی چیخ چیخ کر اسے محلے کے تمام نکمے وہڈ حرام عاشق مزاج لڑکوں کے ناموں سے منسوب کرتی رہیں یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ جب سے اس نے بچپن کو خیر آباد کہہ کر الھڑ پن کی عمر میں قدم رکھا تھا تب سے ہی ماں کی مشکوک نگاہیں والزام لگاتی زبان ہر گھڑی، ہر آن اس پر اسی طرح کوڑے برساتی تھیں۔

''کل احمد صاحب کے بنگلے پر جو کپڑے دینے گئی تھی انہوں نے اور کپڑے دیئے سلائی کے لیے یا خالی ہاتھ بھیج دیا؟''

''کچھ دنوں بعد دیں گی اور کل تو وہ مال سے شاپنگ کر کے آئی ہیں۔'' وہ روٹی پکا کر فارغ ہوگئی تھی چولہے صاف کرتی ہوئی گویا ہوئی۔

''ہونہہ..... یہ بڑے گھروں میں رہنے والے بھی چھوٹے دل کے ہوتے ہیں۔ مال میں جا کر پانچ سو والی چیز پانچ ہزار میں خرید لائیں گے مگر ہم غریبوں کی اجرت دو رو پے زیادہ دیتے ہوئے بھی ان نمائشی شوبازلوگوں کا دم نکلنے لگتا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی سر پر دوپٹہ باندھ کر پلنگ پر لیٹ گئی تھی کیونکہ اکبر کا ڈیوٹی سے واپسی کا ٹائم ہو رہا تھا اور وہ روز اسی طرح میاں کا استقبال کرنے کی عادی تھی۔

وہ چھوٹا سا کچن تھا جس کا سرمئی فرش و دیواریں شیشے کی مانند وہ چمکا کر رکھتی تھی اور کچن پر ہی کیا موقوف پورا گھر اس کی نفاست پسندی و شفاف ذہنیت کا آئینہ دار تھا۔ ابھی بھی لنگڑاتی ہوئی وہ صحن میں جھاڑو لگانے لگی تھی، شریفہ کو اس کی تکلیف سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ روایتی سوتیلی ماں تھی جو جنت کی پیدائش کے کچھ ماہ بعد ہی اس کی ماں بنا کر لائی گئی تھی مگر وہ ایک بار بھی اس ممتا کے لیے تڑپتی بچی کو سینے سے نہ لگا سکی تھی۔ جس کی ماں اسے جنم دیتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملی پھر وہ سال بھر کی بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک بہن اور دنیا میں چلی آئی جس کا سوا گت سوتیلی ماں اور باپ نے بڑی خوشیوں کے ساتھ کیا تھا۔ سوتیلی ماں کی طرح سوتیلی بہن بھی جلاد ثابت ہوئی پھر اس کے ساتھ وہ سب رواں تھا جو عموماً اس جیسی بے بس لاچار و نصیب کی ٹھوکروں میں کھلونے بنے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے ہر اچھائی برائی، ہر نیکی بدی بن جاتی ہے ماں کی آنکھیں موت نے بند کر دی تھیں اور باپ کی آنکھیں جیتے جی اس کی طرف بند ہو چکی تھیں۔

''بے حیا..... سر سے دوپٹہ ڈھلک رہا ہے' دیدوں کا پانی بالکل ہی مر گیا ہے۔'' وہ جو لیٹے لیٹے اس کی کمر پر لہراتی سیاہ ریشمی بالوں کی موٹی چوٹی کو گھور کر دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں حسد کا شکار ہو رہی تھیں اس کے سر سے پھسلنے والے آنچل پر ہی دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

رات گئے جب وہ اپنی ذمہ داریوں سے نبٹ کر بستر پر آئی تو پورا بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے پنڈلی دیکھی جہاں زخم خاصا ابھر آیا تھا اور اس کے اردگرد سرخی دائرے کی صورت میں دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ زخم

کی ڈریسنگ کرتے ہوئے کل رات کا واقعہ پوری جذئیات کے ساتھ روشن ہو گیا تھا۔

چھوٹی ماں کی خواہش تھی کہ احمد رضا صاحب کی فیملی سے کسی طور راہِ رسم بڑھائی جائے کیونکہ ان کا بنگلہ وہاں موجود بنگلوں میں سب سے بڑا و عالی شان تھا اور وہ لوگ خاصے سخی و دیالو تھے حالانکہ وہ لوگ اس پوش علاقے سے ملحقہ کچی آبادی کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہائش پذیر تھے مگر اس کی ماں کو بڑے لوگوں سے دوستیاں کرنے کا بہت شوق تھا اور جس طرح زمین و آسمان کا ملاپ ناممکن تھا اسی طرح اس کی دوستی بیگمات سے نہ ہو سکی۔ البتہ کسی ملازمہ کے توسط سے جنت کی سلائی کی خبر وہاں تک پہنچ گئی تھی اور پھر اس کی ماں کی لاٹری نکل آئی اس نے وہاں جا کر پہلی بار جنت کی سلائی کی تعریف یوں بڑھ چڑھ کر کی اور ڈھیروں روپے سلائی کے وہاں سے ملنے لگے تھے ان کے اصرار پر وہ جنت کو وہاں لے کر جانے پر مجبور ہوئی او رموٹی صورت نازک سراپے والی جنت وہاں کی لڑکیوں کو بہت بھائی تھی کہ وہ نہ صرف حسین تھی بلکہ بلا کی ذہین بھی تھی۔ وہ فیشن میگزینز میں سے اپنی پسند کے ڈیزائن اسے دکھاتی تھیں۔ اور وہ بڑی مہارت سے ویسے ہی کپڑے ڈیزائن کر کے انہیں دیتی تھیں۔ انہیں ہزاروں کی بچت گھر بیٹھے ہوتی تھی کہ مشہور بوتیکس پر ویسے ایک سوٹ کی قیمت ہزاروں میں تھی۔

کل بھی وہ چھوٹی ماں کے ساتھ گئی تھی وہ حسب عادت رخسار کی مما کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں اور اس کے راستہ پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ وہ بھول کر بھی انیکسی کی طرف نہ جائے وہاں بھیڑیا رہتا ہے۔ جس بھول کو انہوں نے بھول کر بھی نہ کرنے کا کہا تھا وہ بھول ہو چکی تھی اور انہوں نے درست کہا تھا جس کے ٹھکانے کی طرف جانے پر سزا زخم کی صورت میں ملی تھی اس سے سامنا واقعی موت کے مترادف تھا۔

☆.....☆.....☆

عمر بھر جدا نہیں ہوتے

درد بھی بااصول ہوتے ہیں

مخصوص چاپ پر انہوں نے چونک کر دیکھا اور اُسے قریب دیکھ کر ان کی بجھی بجھی نگاہوں میں دیئے سے روشن ہو گئے تھے۔

''وعلیکم السلام بیٹا! سلامت رہو، کب آئے؟'' خاصی دیر سینے سے لگانے کے بعد وہ اس کی پیشانی چوم کر گویا ہوئیں۔

''کل شام کی فلائٹ سے آیا تھا نانی جان۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا' انہوں نے محبت سے اس کے براؤن کلر کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں چلانی شروع کر دی۔ ان انگلیوں کی پور پور سے محبت و ممتا کا لمس اس کی رگ رگ میں پھیلتا جا رہا تھا اور اس کی بے کل و بے سکون قلب وجاں میں یک گونہ طمانیت و قرار

سرائیت کرتا جا رہا تھا اس کی آنکھیں بند ہونے لگی۔

''کل رات کو آئے اور میرے پاس اب آئے ہو؟'' وہ شاکڈ رہ گئیں۔

''پلیز آپ خفا نہ ہوں نانی جان..... بوسٹن اور دبئی واپسی میں یہاں کے ایئر پورٹس فلائٹس کے چکروں میں خاصا ٹائم ویسٹ ہوا تھا۔ یہاں آ کر میں باتھ لے کر جو سویا ہوں تو کچھ دیر قبل ہی بیدار ہوا۔ چینج کر کے سیدھا آپ کے پاس ہی آیا ہوں۔'' صریحاً یہ سب گول کر گیا کہ وہ دوپہر کو دروازے کے باہر ان کی اور رباب آنٹی کی تمام گفتگو سن چکا تھا اور ان کی دل آزاری کے خیال سے چپ چاپ واپس پلٹ گیا تھا اور اب آیا تھا۔

''کب تک یہ دیس بدیس بنجارے بنے گھومتے رہو گے' میں تمہاری فکر میں گھلتی رہتی ہوں۔ میری مانو اب شادی کر لو تا کہ میں سکون سے رہ سکوں۔''

''شادی اور میں .....'' اس نے آنکھیں کھول کر تمسخرانہ لہجے میں کہا۔'' کون کرے گا مجھ سے شادی؟''

''ارے کون کرے گا..... کیا مطلب ہوا اس بے تکے سوال کا؟'' ان کی انگلیاں رک گئیں' لہجے میں پیار بھری خفگی در آئی تھی۔'' لڑکی سے ہی ہو گی تمہاری شادی میرے بچے۔''

''کون مجھے جیسے آوارہ، بدمعاش و بدکردار کو بیٹی دے گا؟'' اس کے گمبھیر لہجے میں سنجیدگی تھی اماں بی کے چہرے پر کئی تکلیف دہ رنگ بکھرے تھے پھر وہ مسکرا کر مضبوط سے کہنے لگیں۔

''غلطی کس سے نہیں ہوتی بیٹا! پشیمانی غلطی پر نہیں غلطی پر ڈٹ جانے پر ہوتی ہے میری بات سمجھ رہے ہو نا ابوبکر!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا وجیہہ چہرہ دھواں دھواں ہو چکا تھا۔ اماں بی کی آنکھوں میں بھی ایسا ہی دھواں تھا۔

''میں شادی کبھی بھی نہیں کروں گا یہ آپ بخوبی جانتی ہیں۔'' اس نے سائیڈ پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔

''تیرا یہ انکار سنتے ہوئے مجھے دو سال ہو گئے ہیں' یہ تیری ضد مجھ جیسی بڑھیا کو بے چین و بے قرار کر گئی ہے۔ میں کتنا اور جیوں گی میرے بچے..... ہرگز تا لحہ میری عمر کی نقدی کم سے کم کرتا جا رہا ہے تو اگر زندگی میں آباد نہ ہوا تو میں قبر میں بھی تیرے غم میں تڑپتی رہوں گی۔''

''نانی جان..... موت برحق ہے آج نہیں کل ہے اور ایسا وقت جب آئے گا تو ہم ساتھ ہی اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔'' وہ پانی پی کر ان کی طرف دیکھتا ہوا پرسکون لہجے میں گویا ہوا جواباً انہوں نے خفگی سے کہا۔

''ارے مجھ اسی بیاسی سالہ بڑھیا سے عمر میں کیا مقابلہ کرتے ہو بیٹا! میری دعا ہے تم برسوں جیو، خوشیاں و کامرانیاں تمہارے قدموں کو چومیں۔

''اوہ نانی جان! میں لیٹ ہو رہا ہوں' ایم سوری مجھے ابھی جانا ہوگا۔'' وہ ریسٹ واچ دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''بس بس ..... میں جانتی ہوں تمہاری یہ سب جان بچا کر بھاگنے کی بہانے بازی ہے، جب بھی میں شادی کی بات کرتی ہوں تمہیں ایسے بہانے ہی سوجھتے ہیں۔'' وہ اس کی جلد بازی کو خاطر میں نہ لائی۔

☆.....☆.....☆

''رات ابوبکر یہاں واپس آچکا ہے۔'' رباب کی اطلاع پر بے فکر سے چھری کانٹے پکڑے پلیٹوں پر ہاتھ میکانکی انداز میں رک گئے تھے۔

''وہاٹ .....'' ہارون کی آواز وہاں گونجی۔

''پورے چھ ماہ بعد واپس آیا ہے۔''

''میں تو سوچ رہی تھی وہیں کہیں مرکھپ گیا ہوگا مگر وہ کہتے ہیں ناشیطان کی عمر لمبی ہوتی ہے۔'' رباب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اتنی آسانی سے کہاں مرتے ہیں ایسے لوگ جو دوسروں کو جیتے جی مار دیں۔''

''ماضی کو فراموش کیوں نہیں کر دیتے تم لوگ۔'' احسان صاحب نے کہا۔

''جو اس نے کیا وہ فراموش کرنے کے قابل ہی کب ہے بھائی جان۔'' ان سے چھوٹے خالد نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''بھائی جان تو فراموش کر سکتے ہیں خالد! اس لیے کہ جس کے دامن میں آگ لگتی ہے پیٹ چھپانے کی فکر صرف اسی کو ہوتی ہے۔''

''رباب! یہ مت بھولو کہ اس آگ نے اب ہمارے دامن کا رخ کرلیا ہے' ہمہ وقت جس سے بچاؤ کی تگ و دو میں ہم سرگرداں رہتے ہیں۔''

''مما! پھر کیوں جل جانے کا انتظار کر رہی ہیں ہمیشہ کے لیے بجھا کیوں نہیں دیتیں اس آگ کو؟'' ہارون نے پھولے تنفس سے بگڑے لہجے میں کہا۔ اس کی سرخ ہوتی نگاہیں مقابل بیٹھیں ادینہ پر تھیں جس کا سر جھکتا چلا گیا اور ماتھے پر ننھے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔

''یہ آگ کب کی خاک ہو چکی تھی' اگر امان بی اس کے سامنے دیوار بن کر نہ کھڑی ہوتیں، یہ سب کیا دھران کا ہی ہے۔'' نفیسہ بیگم کے لہجے میں بھی ان لوگوں کی طرح نفرت اور بے زاری تھی۔

''جب تک اماں بی اس گھر میں موجود ہیں وہ یہاں آئے گا اور آتا رہے گا۔''

''پھر کیا مقصد کیا ہے' اماں بی کو گھر سے بے دخل کر دوں؟ ایک طرف کسی فالتو سامان کی مانند انہیں ڈال دیا گیا ہے گھر میں ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر ہیں وہ پھر اب بھی انہیں ہی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔'' احسان غصے سے گویا ہوئے۔

''اماں بی اور ان کا لاڈلا کیوں جائے یہاں سے میں اور ادینہ ہی چلے جاتے ہیں' یہاں سے کسی کو بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ہارون نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پرطیش انداز میں سامنے دیوار پر دے مارا اور کرسی کھسکا کر وہاں سے چلا گیا اس کی تقلید ادینہ نے بھی کی، اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

ان کے جانے کے بعد کھانا کسی سے بھی نہیں کھایا گیا' کچھ دیر قبل جہاں خوش گوار باتوں سے ماحول گونج رہا تھا وہاں اب ایک دم خاموشی چھا گئی تھی ایک گہرا سناٹا پھیل گیا تھا۔

''دیکھا بھابی..... اس لڑکے کا نام ہی کس قدر منحوس ہے ذرا ذکر کیا ماتم برپا ہو گیا۔ لمحوں میں ہنستی مسکراتی محفل پر موت کا سناٹا چھا گیا ہے۔'' رباب نے جٹھانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے آج کوئی نئی بات نہیں اور تم کو بھی پتا ہے کہ ہارون اور ادینہ بھی کھانے پر موجود ہیں۔ ان کے سامنے یہ ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی، کچھ دیر کھانے تک صبر ہی کر لیتیں تم۔''

''صبر..... ارے اس لڑکے کی شکل دیکھتے ہی گویا میرے بدن میں پتنگے لگ جاتے ہیں اس نے جو ذلیل حرکت کی تھی اس کی شکل دیکھ کر مجھے وہ ایک ایک لمحہ یاد آنے لگتا ہے اور میں انگاروں پر لوٹنے لگتی ہوں۔'' رباب کے چہرے پر بہت عجیب تاثرات تھے آگ سے پھوٹتے شراروں کی مانند۔

''کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نا چاہتے ہوئے بھی بھلانی پڑتی ہیں، میں ہر بار تم سے یہی کہتی ہوں، مٹی ڈالو ماضی کے اس قصے پر۔''

☆.....☆.....☆

وہ راستے میں آنے والی ہر شے کو ٹھوکروں میں اڑاتا ہوا کمرے میں آرہا تھا اور دونوں ہاتھوں میں بال جکڑ کر بیٹھ گیا تھا اس کے ہونٹ ہل رہے تھے وہ ابوبکر کو ہذیان بک رہ تھا' مغلظات زبان پر جاری تھیں۔

ادینہ نے کئی منٹ تک دروازے کے ہینڈل کو پکڑے رکھا اندر جانے کی ہمت جو نہیں ہو رہی تھی' دل پوری شدت سے لرز رہا تھا۔ ہارون کے غصے و جنون کو کنٹرول کرنا سہل نہ تھا۔ رات و دن جس کی نگاہیں ایسی محبت سے تکتے تکتے نہ تھکتی تھیں ایسے میں وہ نگاہ بھر پور اجنبی و بے گانہ ہو جایا کرتی تھی اور زبان خنجر کی نوک بن جاتی تھی، زخم کے گھاؤ بھر ہی جاتے ہیں لیکن زبان کے گھاؤ بھرنا آسان نہ تھا پھر کب تک وہ کھڑی رہتی، اندر تو جانا ہی تھا سامنا تو کرنا ہی تھا۔ ایک جرم جو ہوا تھا وہ اگرچہ اس میں شامل نہ تھی مگر سزا برابر بھگت رہی تھی جس کی مقدار کم ہوتی تو کبھی زیادہ ہوتی تھی۔

''ارے ..... یہ کیا کررہے ہیں آپ؟'' وہ وارڈ روب سے ریوالور نکال رہا تھا چہرے پر بڑے بھیانک تاثرات تھے وہ لپک کر اس کے پاس آئی۔'' ہارون .....! یہ کیا کررہے ہیں۔..... ریوالور کیوں نکالی ہے آپ نے؟''

'ماردوں گا میں اس کتے کو۔'' وہ شدید طیش کے عالم میں آگے بڑھا۔ ادینہ نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

''چھوڑو..... میرے راستے میں مت آؤ۔'' اسے ایک جھٹکے سے دور کرتے ہوئے بولا۔

''یہ آپ غلط کررہے ہیں میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ پھر اس کے بازو سے لپٹ گئی۔

''اچھا..... ابھی بھی بچانا چاہ رہی ہو اسے؟ آج بھی تمہارے دل میں اس کے زندہ رہنے کی آرزو موجود ہے۔''

''نن..... نہیں..... نہیں میں تو آپ کو بچانا چاہ رہی ہوں' آپ کیا اس کو قتل کرکے سولی پر چڑھنا چاہتے ہیں۔'' وہ روہانسی لہجے میں گویا ہوئی۔

''چڑھنے دو مجھے سولی پر ایک بار ہی چڑھوں گا یہاں ہر روز کی سولی پر چڑھنے سے بہتر ہے اسے مار کر میں بھی مرجاؤں۔'' اسے دھکا دے کر وہ کمرے سے نکلا۔

''ہارون..... ہارون..... آپ ایسا نہیں کریں..... خدا کے واسطے واپس آجائیں۔'' وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ جنونی انداز میں آگے بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ماں اور باپ کی طرف سے ملنے والی کھلی آزادی نے صدف کے قدم اس راہ پر ڈال دیئے تھے جہاں گمراہیاں مقدر بنتی ہیں۔ کالج آتے جاتے اس راستے پر پڑتے ہوٹل پر کام کرنے والے ایک بہروز نامی لڑکے سے چکر چلا لیا تھا اور روز پھر وہ کالج کی بجائے اس سے محبت کی کلاسز لینے لگی تھی۔ یہ سلسلہ ایک عرصے تک چلا تھا۔ بیٹی کی محبت میں اندھی شریفہ کو ساری خوبیاں صدف میں اور ساری خرابیاں جنت میں دکھائی دیتی تھیں۔ اگر صدف کی جگہ جنت کسی سے عشق لڑا رہی ہوتی تو وہ ایک قیامت ہی برپا کردیتی یا اسے زندہ درگور کردیتی مگر یہ فعل خود کی بیٹی کا تھا سو وہ اس کو شہ دے رہی تھی جب یہ خبر محلے والوں کی زبانی اکبر تک پہنچی تو اس کی باز پرس پر شریفہ نے ایک ہنگامہ کیا تھا ساتھ میں صدف نے بھی اپنے بالغانہ حقوق گنوائے تھے مگر اس موقع پر پہلی بار اکبر ذات برداری پر مرمٹنے والا مرد بن گیا تھا وہ کسی بھی طور بیٹی کی غیر برادری میں شادی پر تیار نہ تھے اس کی خفگی کی پروانہ کرتے ہوئے صدف کورٹ میرج کرکے آگئی تھی پھر اکبر کی جھکی گردن اٹھ نہ سکی۔

رات اس نے فون پر ماں کو بتایا کہ وہ حاملہ ہے اور شریفہ کے قدم مارے خوشی کے زمین پر نہیں ٹک

رہے تھے۔ شادی کے بعد بہروز یہاں سے ہوٹل کی نوکری چھوڑ کر اپنے گاؤں ایبٹ آباد چلا گیا تھا۔ اب وہاں صدف کو آرام کی ضرورت تھی اور اس کے گھر میں کوئی نہ تھا جو اس کی خدمت کرتا اور یہاں شریفہ کسی بھی قیمت پر رکنے کو تیار نہ تھی اور ساتھ جنت کو بھی لے جارہی تھی۔

''تم جارہی ہو تو جاؤ' اللہ کی بندی جنت کو کیوں لے کر جارہی ہو۔ اسے لے جاؤ گی تو گھر کا خیال کون رکھے گا؟ میں پیٹ کہاں بھروں گا؟'' اس کے ساتھ جنت کو بھی تیاریاں کرتے دیکھ کر وہ جز بز ہو کر کہہ اٹھا۔

''جوان جہان لڑکی کو اکیلے گھر میں کیسے چھوڑ جاؤں' محلے کے آوارہ لونڈے دن دیہاڑے ویسے ہی تاک میں رہتے ہیں۔ ذرا کوئی موقع ملا اور گل کھلنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ایک نے تیری ضد پر کورٹ میرج کی ہے کہیں دوسری بھی ایسا نہ کرے۔''

''بک بک بند کرا پنی۔'' وہ چڑ کر جھلا کر گویا ہوا۔

''ہاں ہاں تجھے میری باتیں بک بک ہی لگتی ہیں، جنت کے کرتوت اگر تجھے بتاؤں ناں تو تو اسی وقت اس کا گلہ گھوٹ دے۔'' وہ جنت کو گھورتی غصے سے بولی اور ہمیشہ کی طرح اکبر گہرا سانس لیتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

سب کچھ سنتی جنت کا دل بلکنے لگا' ایسا ہمیشہ ہوتا تھا چھوٹی ماں اس پر اسی طرح بہتان تراشی کرتی تھی اور اس سے کوئی باز پرس کرنے کے بجائے اسی طرح سے سر جھکا کر گھر سے غائب ہوجاتا تھا۔ وہ دہری اذیت میں مبتلا ہوجاتی تھی اس کے دل میں یہی خواہش تھی ابا اسے مارے، غصہ کرے مگر پوچھے تو سہی اس کے دامن پر کہاں داغ لگا ہے؟ کسی مرد کی پرچھائیں بھی کبھی اردگرد نظر آتی ہے اسے؟ پڑوسیوں نے صدف کے خلاف گواہیاں دی تھیں آج تک اس کے خلاف کسی نے کیوں انگلیاں نہیں اٹھائی۔ ابا کی خاموشی چھوٹی ماں کی نشتر زنی ایک جیسی ہی لگنے لگتی تھی۔

''پھر اپنے کسی یار کے خیالوں میں کھو گئی جنم جلی۔'' شریفہ نے پیچھے سے زوردار دھموکا اس کی کمر پر مارتے ہوئے کہا۔

''ارے وہ تو میری صدف تھی جو بڑے ٹھاٹ سے اپنے گھر کی ہوگئی' تیری جیسی کالی صورت والی کو کون قبول کرے گا؟ تو اسی طرح ہماری چھاتی پر مونگ دلتی رہیو۔'' وہ بڑبڑ کرتی آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

لمحوں میں تمام لوگ ہارون اور ادینہ کے اردگرد جمع ہوگئے تھے۔ آگے بڑھ کر احسان صاحب نے اس کے ہاتھ سے پستول چھینا اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی مگر سر کو بڑے جنونی انداز میں دیوار سے ٹکرانے لگا۔

''ہارون...... ہارون مائی سن!'' انہوں نے اسے اس امر سے باز رکھنے کی سعی کی تو وہ ان کے ہاتھ جھٹک کر بپھرے لہجے میں گویا ہوا۔

''آپ لوگ ابوبکر کو مارنے نہیں دیں گے' مجھے تو مرجانے دیجیے۔ سکون کو ترس گیا ہوں میں' زندگی جہنم لگنے لگی ہے مجھے۔

رحم کریں مجھ پر...... ترس کھائیں پاپا! مجھے مرجانے دیں یا خود ماردیں۔'' ان کی گرفت جب اس پر کمزور نہ ہوئی تو وہ گویا تھک ہار کر اس سے لپٹ کر رونے لگا، بہت جذباتی منظر تھا۔ وہاں موجود نفیسہ بیگم اور رباب کے آنسو بھی گرنے لگے تھے جبکہ ادینہ تو پہلے ہی آنسوؤں کی برسات میں بھیگ رہی تھی۔

''کیسی بزدلی کی باتیں کررہے ہیں آپ، اگر موت ہی ہر مسئلہ کا حل ہوتی تو شاید کوئی زندہ ہی نہیں ہوتا بیٹا! پریشانی ومشکل کا سامنا کرکے ہی خود کو منوایا جاتا ہے' بہادری کی مثال قائم کی جاتی ہے۔'' وہ اسے کسی بچے کی طرح سینے سے لگائے ہوئے تھے اور بیڈ پر لٹا دیا تھا۔

''پاپا...... آپ جانتے ہیں نا اس کمینے انسان نے ادینہ کے ساتھ......''

''ہوں...... ہوں بیٹا...... ماضی کے زخموں کی مت نوچو، وہاں سوائے درد وتکلیف کے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لو یہ دوائی کھاؤ اور ریلیکس ہونے کی کوشش کرو' سب ٹھیک ہوجائے گا' بالکل بھی فکر نہ کرو۔'' ادینہ سے دوائی لے کر انہوں نے اسے کھلائی اور سمجھانے لگے۔

''پاپا......'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر سرعت سے اٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

''ابوبکر آپ کی بات مانتا ہے وہ آپ کو انکار نہیں کرسکتا' آپ اس کو کہہ دیں وہ یہاں سے چلا جائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کہیں دور چلا جائے...... دفع ہوجائے ہماری زندگیوں سے جہاں اس نے آگ لگائی ہوئی ہے۔'' اس پر شدید ہذیانی کیفیت طاری تھی۔

خالد' رباب بیگم اور نفیسہ بیگم کو احسان صاحب کے اشارے پر باہر سے ہی لے گئے تھے' انہیں معلوم تھا وہ رو رو کر اس کی جنونی کیفیت کو مزید ہوا دیں گی اور پھر معاملہ سنبھلنا مشکل ہوجائے گا اب بھی وہ اسے سمجھا رہے تھے۔

''پاپا...... وہ جب تک اس گھر میں ہے ادینہ محفوظ نہیں ہے' میں جانتا ہوں وہ اس گھر کو کیوں نہیں چھوڑ رہا ہے' وہ یہاں کیوں آتا ہے دراصل وہ ابھی تک ادینہ کے پیچھے ہے۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہا ہے' ہٹ دھرمی دیکھو اس کی۔'' وہ ذہنی سکون کی دوائی کے زیر اثر آتا جارہا تھا۔

احسان صاحب اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ بیڈ کی دوسری طرف کھڑی ادینہ کسی مجسمے کی مانند کھڑی تھی۔

''میری بات سنو' ادھر آؤ میرے پاس۔'' احسان صاحب کے جانے کے بعد وہ بند ہوتی آنکھوں کو نیم وا کرکے ادینہ سے گویا ہوا۔

''ادینہ...... ادینہ میری جان! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی نا؟'' اس نے پوری شدت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دونوں ہاتھوں میں دبایا' جیسے ابھی اس کے چلے جانے کا خطرہ ہو۔

''میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی ہارون...... میں نے خود آپ کا انتخاب کیا تھا شادی کے لیے آپ میری رضامندی سے میرے لائف پارٹنر بنے ہیں'' وہ آنسو پونچھتی ہوئی گلوگیر لہجے میں بولی۔

''ہوں ٹھیک ہے...... ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... تم نے مجھے پسند کیا تھا' تم نے......'' وہ کہتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

وقت کے کئی رنگ و روپ ہیں
بہار کا گنگناتا نغمہ...... خزاں کا اداس نوحہ
زندگی کی چمکتی دھوپ...... موت کا گھمبیر اندھیرا
نور بکھیرتی ہوئی صبح سحر...... ظلمت پھیلاتی ڈھلتی شام
ایک مسکراہٹ...... ایک سسکی
ایک قہقہہ...... ایک آہ
خوشی...... غم
وقت شجر کی مانند ساعت بہ ساعت اپنا پیراہن بدلتا رہتا ہے

''بیٹا...... بیٹا'' رمضان بابا نے اندر آکر اسے آوازیں دی اور وہ بے حد انہماک اسکرین پر نظر آتے منظر کو دیکھ رہا تھا وہ اتنا محو تھا کہ ان کی آوازیں بھی نہ سنی تھیں۔ رمضان بابا نے بھی اسکرین کی طرف دیکھا اور جھرجھری لے کر رہ گئے۔

وہ انگلش مووی تھی جہاں ہیبت ناک منظر چل رہا تھا' بیڈ پر ایک انگریز عورت کی لاش تھی اس کے ہر طرف خون تھا اور ایک تنومند مرد ہاتھ میں پکڑی ایک کلہاڑی نما شے سے اس کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ماسک تھا اور ماسک سے جھانکتی آنکھوں میں از حد سفاکی کی درندگی تھی' ان کی مارے خوف کے گھگھی بندھ گئی۔

''بابا...... آپ؟'' عجیب وغریب آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور ان کے بدحواس چہرے کانپتے وجود کو دیکھ کر قریب رکھی ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کر اسکرین آف کی پھر گویا ہوا۔

''آیئے ادھر بیٹھیے۔'' اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب صوفے پر ہی بٹھالیا' وہ چند لمحوں کے بعد اپنی لرزش وخوف پر قابو پا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے پریشان کن لہجے میں کہنے لگے۔

''کس بری طرح اس بچی کو اس ظالم آدمی نے مارا ہے۔''

''وہ موذی ہے حقیقت نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ اٹھا۔

''آپ بتایئے کیوں آئے ہیں؟'' لہجہ احترام سے نرم تھا۔

''وہ.....میں پوچھنے آیا تھا' کھانا نہیں کھارہے تو چائے یا کافی بنالاؤں۔'' انہوں نے کھڑے ہوئے پوچھا۔

''کھانا میں نے ہوٹل سے کھایا تھا اور کولڈ ڈرنک پی تھی' آپ رہنے دیں مجھے کچھ نہیں لینا۔'' وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔

''ابوبکر بیٹے.....آپ کا یہ تکلف کہ یہاں سے کچھ نہ کھانا' کچھ نہ پینا اور رات گئے تک گھر آنا تا کہ سب لوگ سوچکے ہوں' مجھے ہی نہیں اماں بی کو بھی بہت دکھ دیتا ہے۔آپ اس طرح تکلف نہ کیا کریں' یہ گھر جتنا ان لوگوں کا ہے اتنا ہی آپ کا بھی ہے میں گواہ موجود ہوں آپ کے ڈیڈی نے برابر کا پیسہ لگایا ہے اس بنگلے کی تعمیر میں۔'' ان کی آنکھوں میں ماضی کے وہ مناظر نمی بن کر تیرنے لگے تھے۔

''جی ہاں میں ہر معاملے سے بخوبی واقف ہوں' نانی نے ہر بات سے آگاہ رکھا ہے۔ میں اپنے باپ کا مال ان لوگوں کو ہضم کرنے نہیں دوں گا۔''

''میری آپ سے ایک التجا ہے اگر آپ وہ مانیں تو بہت اچھا ہوگا۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولے۔

''جی جی آپ کہیے۔'' اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری صرف یہ عرض ہے بیٹا.....آپ جہاں بھی جایا کریں تو.....اماں بی کو اپنے ساتھ لے جایا کریں' وہ تنہائی میں روتی ہیں۔ احسان صاحب' خالد صاحب نفیسہ بیگم' رباب بیگم اور بچے کوئی بھی ان کا خیال نہیں رکھتا' سب نے ان کو تنہا کر دیا ہے۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے۔

''وائے.....کیوں کرتے ہیں وہ لوگ ایسا؟'' وہ مضطرب ہوا۔

''بس جی ان کی خواہش ہے وہ آپ سے نہ ملیں، یہاں آپ کی آمد پر پابندی لگادیں۔ دھکے مار کر آپ کو ہمیشہ کے لیے اس جگہ سے نکال دیں۔'' بابا کا مہینوں کا دل میں بھرا غبار نکل رہا تھا۔

''نانی جان ایسا کبھی نہیں کریں گی' یہ میں جانتا ہوں۔''

''وہ آپ کی خاطر ان لوگوں کو چھوڑ دیں گی بیٹا! بلقیس بہت لاڈلی اور چہیتی تھیں پھر اصغر صاحب بھی بہت نیک' ملنسار' ایثار پسند آدمی تھے' عزت کرتے تھے اور عزت پاتے تھے دونوں میاں بیوی۔'' ماضی کی

پرچھائیاں آنکھوں میں نمک بن کر بہہ نکلی تھیں۔

وہ ان کے ایسے تکلیف دہ انکشافات پر بہت بے چین اور پریشان ہوگیا تھا۔ آج سے قبل وہ ایک بات سے ناواقف تھا کہ ان لوگوں کا رویہ نانی جان سے ایسا ہی رہتا ہے وہ سمجھتا تھا اس کی موجودگی میں وہ لوگ ان کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں مگر آج ہی معلوم ہوا کہ اس سے نفرت کی سزا وہ نانی جان کو مستقل دیتے ہیں۔ عجیب روپ ہیں نفرت کے بھی جو ہوتی ایک سے ہے مگر حصار میں اس ذات سے وابستہ لوگوں کو بھی لے لیتی ہے۔

''آج تو ایک نیا ہی تماشا ہوا تھا ابوبکر بیٹے!'' بابا غیر ارادی طور پر اس کے قریب آکر گویا ہوئے' وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔

''ہارون صاحب آپ کے جانی دشمن بن گئے ہیں۔''

''یہ بات آپ کو آج پتا چلی ہے؟' اس کے انداز میں بے پروائی تھی۔

''ارے تو کیا آپ کو معلوم ہے' میرے منہ میں خاک بیٹے! ہارون صاحب آپ کی جان لینا چاہتے ہیں۔ آج تو وہ پستول بھی نکال کر لے آئے تھے وہ بھلا ہو احسان صاحب کا بہلا پھسلا کر ان سے پستول لی تھی۔'' رمضان بابا حیرانی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے' جہاں کوئی خوف' کوئی فکر نہ تھی بلکہ ایک عرصے سے اس کے وجیہہ چہرے پر جو سکوت کا پتھریلا موسم آکر جم گیا تھا وہاں ذرا بھی تو تبدیلی نہ آئی تھی۔

''یہاں کے لوگ میرے بارے میں کیا جذبے وسوچ رکھتے ہیں' سب سے میں بخوبی واقف ہوں میں کسی کی پروا بھی نہیں کرتا۔ مجھے کیئر صرف نانی جان کی ہے اگر آپ مجھے نہ بتاتے کہ ان لوگوں کا رویہ وسلوک ان کے ساتھ اتنا روڈ ہے پروا نہیں ان لوگوں کو میں نانی کو ہرگز ہرگز یہاں نہ چھوڑتا۔ مجھے یقین نہیں آتا وہ لوگ میرا بدلہ نانی سے کیوں لے رہے ہیں؟'' وہ بڑبڑاتا ہوا وارڈ روب کی طرف بڑھا' چہرے پر چھائی سنجیدگی زیادہ پتھریلی ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اماں بی کے ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے سفید چمکیلے دانے سست روی سے ایک ایک کر کے گر رہے تھے۔ دبیز عینک کے پیچھے سے ہلکی نم آنکھیں کچھ فاصلے پر بیٹھے دونوں بیٹوں اور بہوؤں پر فرداً فرداً پڑ رہی تھیں۔

بیٹوں نے کچھ احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا' جبکہ دونوں بہوئیں کینہ توز نگاہوں سے وقتاً فوقتاً ساس کو گھور رہی تھیں۔

''بات کا مقصد یہ ہے اماں بی..... پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے اگر اب بھی بند نہ باندھا گیا تو کچھ بھی نہیں بچے گا تباہی ہوگی۔ ناقابل تلافی نقصان ہوگا' اب جو کرنا ہے آپ کو ہی کرنا ہے۔' احسان نے ان

کی جانب دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''اماں بی..... اس طرح خاموشی سے کام نہیں چلے گا' آپ کی اس مجرمانہ خاموشی سے ہی ابوبکر کو شہہ ملتی ہے وہ گناہ گار ہوتے ہوئے بھی بلاخوف وڈر کے ہر جگہ گھومتا پھرتا ہے۔ اس کا کردار آپ نے بھی دیکھ لیا۔ وہ کس طرح کے بدقماش اور بگڑے آوارہ لوگوں کی محفلوں میں بیٹھتا ہے' یہ سب آپ کو معلوم ہے۔ اس گھر کا امن وسکون اسی میں ہے کہ آپ ابوبکر کو کہہ دیں وہ یہاں نہ آیا کرے۔'' اماں بی نے کوئی جواب نہ دیا' وہ خاموش تھیں اور خاموشی سے تسبیح کے دانوں کے ساتھ ساتھ آنسو بھی گرتے جارہے تھے۔

''یہ بھی خوب ہے بھابی جان..... جب بھی ان سے اس لوفر کی بات کی جاتی ہے یہ اسی طرح سے مگر مچھ کے آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہیں اور بات وہیں کی وہیں ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی نا۔'' رباب ہاتھ چلاتی ہوئیں اماں بھی کو گھورتی قریب بیٹھیں نفیسہ سے بولیں۔

''بات اب اس طرح ختم نہ ہوگی' یہ مسئلہ بن گیا ہے میرے بیٹے ہارون کی زندگی کا' آج تو سب جمع تھے کل کو کوئی نہ ہوا اور ابوبکر کو دیکھ کر ہارون نے گولی ماردی تو پھر.....''

''گولی..... یہ کیا بات کر رہی ہو بہو! کیسی گولی.....؟'' ان کی بات قطع کر کے اماں بی بدحواس ہو کر گویا ہوئی۔

''بلٹ کی بات کر رہی ہے نفیسہ' اماں بی اگر میں عین موقع پر نہیں پہنچتا تو نامعلوم کیا سے کیا ہو گیا ہوتا گھر میں۔'' احسان کے لہجے میں بھی سرد مزاجی در آئی تھی۔

اماں بی کی تسبیح پر حرکت کرتی انگلیاں رک گئیں' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک درد تھا بائیں شانے کی جانب بڑھنے لگا تھا' انہیں سانس لینا دشوار لگنے لگا۔

''بس اب اللہ ہی خیر کرے' ہارون کے دماغ میں ابوبکر کو مارنے کا خیال سما گیا ہے اور سب جانتے ہیں وہ بچپن سے ہی اپنی ضد کا پکا ہے جو چاہتا وہ کر کے ہی دم لیتا ہے اور جب تک وہ اس کو مار نہیں دے گا سکون سے بیٹھنے والا بھی نہیں ہے۔''

''بہو خاموش رہو..... کیسی منحوس باتیں.....'' وہ تڑپ کر گویا ہوئی تھیں مگر بائیں طرف بلند ہوتی درد کی لہر نے انہیں کٹے ہوئے درخت کی مانند زمین بوس کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہارون کچھ دیر بعد ہی ٹیبلٹس کے زیر اثر بے خبر سو گیا تھا۔

ادینہ نے نرمی سے اس کے مضبوط ہاتھوں میں دبے اپنے کومل ہاتھ نکالا جو شدت سے دبنے کی وجہ سے بے تحاشا شرخ ہو گیا تھا۔ دودھیا رنگت میں سرخی خاصی نمایاں تھی۔ وہ اٹھی اور ہارون کو کمبل سینے تک اوڑھا

کر لائٹ آف کر کے نائٹ بلب روشن کیا' کھڑکی بند کرنے کے لیے آگے بڑھی تھی کہ سامنے لان میں مصنوعی جھیل کو دیکھ کر وہ چونک کر رک گئی۔ چند لمحے بنا پلکیں جھپکے کلر ڈاسٹونز کے گرتے پانی کے آبشار کو دیکھتی رہی تھی' پانی اتنی شدت سے جھیل میں گر رہا تھا کہ آس پاس گرتی پانی کی چھینٹوں نے تیز بوندوں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جھیل میں گلابی اور پیلے کنول کے بڑے بڑے پھول سبز پتوں کے ہجوم میں تیر رہے تھے۔ از حد دلفریب و خوب صورت منظر تھا مگر وہ گرتی بوندوں و بہتے پانی کے بہاؤ میں بہتی بہت دور نکل گئی۔

موسم ایک ہفتے سے ہی ایسا ابر آلود ہو رہا تھا' روز گہرا ابر آسمان پر چھا جاتا تھا۔ ہلکی پھلکی پھوار پڑتی تیز ہوا چلتی اور بارش غائب..... لیکن آج ایسا کچھ نہیں ہوا' وہ حسب معمول شیما کے ساتھ کالج چلی آئی تھی اور آخری پیریڈ کے بعد سیاہ بادل مست ہاتھیوں کی مانند جھومتے ہوئے آئے اور ان کا ساتھ گھن گرج نے بھی دیا پھر وہ کہتے ہیں ناجو بادل گرجتے ہیں وہ برستے نہیں ہیں۔ آج بادلوں کی یہ مثال بھی غلط ثابت ہوئی تھی' بادل گرجے بھی اور برس خوب رہے تھے۔ وہ کالج سے نکلیں تو بارش کی تیز بوندوں نے انہیں چونکا دیا تھا۔ انہوں نے تقریباً بھاگتے ہوئے قریبی بس اسٹاپ کے شیڈ کے نیچے پناہ لی۔

''اُف بڑی تیز بارش ہے یہاں کوئی کنوینس بھی نہیں ہے۔ سڑکیں دور تک سنسان ہے' سیل فون سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا۔''

ادینہ نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا تھا۔

''گھر پر بھی سب پریشان ہو رہے ہوں گے' خاصا ٹائم گزر چکا ہے۔' شیما نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا تھا اور اسی لمحے دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکتی ہوئی دکھائی دیں تو ادینہ نے تیزی سے ہاتھ ہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ گاڑی کو رکنے کا اشارہ کر رہی تھی' چند سیکنڈ بعد وہ گاڑی وہاں آ کر رک گئی تھی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی اس لیے کہ وہ ٹیکسی نہیں کار تھی۔

''اوہ یہ ٹیکسی نہیں پرائیوٹ کار ہے' میں تو ٹیکسی سمجھ رہی تھی۔'' اس نے شیما کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''فرمائیے' میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' ڈرائیونگ ڈور کا شیشہ نیچے کر کے نوجوان نے شائستگی سے پوچھا تھا' لیکن دونوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئی۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں مس.....!'' اس کی نگاہیں سراسیمہ نظر آنے والی ادینہ پر تھیں جو اضطراری انداز میں گلابی ہونٹوں کو دانتوں سے کچل رہی تھی' شیڈ میں ہونے کے باوجود بارش کی تیز بوچھاڑ ان کے ملبوس کو بھگو رہی تھی۔ وائٹ دوپٹے انہوں نے اپنے گرد لپیٹے ہوئے تھے۔

''آپ نے مجھے روکا ہے بتائیے' میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟'' اس نے کار سے نکلتے ہوئے

چھتری کھول کر تان لی تھی پھر ان کے قریب آ کر نرم و شائستہ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

''سوری بھیا! دور سے آتی آپ کی کار ہمیں ٹیکسی معلوم ہوئی تھی' اس لیے اس نے آپ کو رکنے کا اشارہ کیا تھا' ہم معذرت چاہتے ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔ آپ کو خوامخواہ تکلیف ہوئی' آپ کا وقت ضائع ہوا میں اس معافی چاہتی ہوں۔''

شیما نے حسب عادت تفصیلی بات کی تھی۔

''ماشاء اللہ! آپ کی فرینڈ کی آنکھیں تو بڑی بڑی ہیں اور چہرے سے بھی خاصی ذہین لگ رہی ہیں..... میرا مطلب ہے انہیں تو آسانی سے نظر آ سکتا تھا کہ ٹیکسی ہے یا کار اور میری کار کا رنگ بھی بلیو ہے جو دور سے نظر آتا ہے آپ کی فرینڈ نے جان بوجھ کر روکا ہے۔'' اس کا لہجہ بالکل سنجیدہ تھا مگر وجیہہ چہرے پر چمکتی براؤن آنکھوں میں شوخی و شرارت ستاروں کی مانند چمک رہی تھی۔ ادینہ پر اس کے منہ سے نکلے یہ الفاظ ''جان بوجھ کر'' بجلی بن کر گرے تھے۔

''کیا کہا آپ نے ..... جان بوجھ کر؟ ہونہہ میں کیوں جان بوجھ کر آپ کو رکنے کا اشارہ کروں گی' میرا آپ سے کیا تعلق؟''

''جی ہاں' یہی بات ہے..... تعلق بنانے کے لیے ہی آپ نے .....''

''اپنا منہ بند رکھو مسٹر.....!'' وہ اس بات کی قطع کر کے کہنے لگی۔

''مسٹر ابوبکر..... میرا نام ابوبکر ہے' پیار سے بھی ابوبکر کہتے ہیں اور .....'' پھر اس کے غصے سے بگڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے خوف زدہ ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''غصے سے بھی ابوبکر ہی کہتے ہیں۔''

''آپ کو کچھ بھی کہتے ہیں' ایکس وائی زیڈ..... ڈونٹ کیئر..... جب آپ سے کہہ دیا ہم سے غلطی ہو گئی آپ کی کار ہم نے ٹیکسی سمجھ کر روکی تھی اب آپ ہماری معذرت قبول کریں اور جائیں یہاں سے۔'' اس کی شوخی و شرارت نے اس کے اندر غصے کے شرارے بھڑکا دیئے تھے وہ غصے سے آگ بگولہ ہو کر گویا ہوئی۔

''اوکے..... میں نے آپ کی معذرت قبول کی' قبول کی..... قبول کی۔ اب آپ بھی میری دعوت قبول کیجیے' آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا جہاں آپ کہیں گی۔'' اس کیا انداز میں شیما کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی اور وہ بھی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی۔

''نہیں شکریہ' ہمیں لفٹ لینا پسند نہیں ہے ابھی کچھ ہی دیر میں ہمیں رکشہ یا ٹیکسی مل ہی جائے گی' آپ کی آفر کا بے حد شکریہ۔'' ادینہ لمحہ بہ لمحہ خراب ہوتے موسم کے تیور دیکھتے ہوئے خوف زدہ تو بے تحاشا ہو رہی تھی۔ لیکن اس پر ظاہر کرنا بہتر نہیں سمجھا تھا۔

''پلیز آپ لوگ مجھ پر بھروسہ کریں' میں آپ کو بحفاظت آپ کی منزل تک پہنچا دوں گا' موسم کے تیور آپ کی فرینڈ کی طرح بگڑتے جا رہے ہیں۔'' وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بھی شرارت کر گیا۔

''ہم آپ پر کس طرح بھروسہ کر لیں، آپ کیا ہمارے چچا کے بیٹے ہیں؟''

''رکشہ یا ٹیکسی والا کیا آپ کے چچا کا بیٹا ہوگا؟ غیروں پر اتنا بھروسہ ہے آپ کو اور مجھ پر آپ اعتبار کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں حد ہوتی ہے بے رخی کی بھی۔''

''ادینہ! ابوبکر کی بات بالکل درست ہے یہ بارش رکنا تو درکنار کم ہوتی بھی نظر نہیں آ رہی۔ ابھی تک کوئی رکشہ ٹیکسی نہیں آئی ہے اور کیا پتا اب آئے بھی یا نہیں۔ ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے' گھر والے علیحدہ پریشان ہو رہے ہیں گے' ابوبکر بھائی شریف انسان لگ رہے ہیں ہمیں ان سے لفٹ لے لینی چاہیے۔'' شیما نے موسم کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

''ہونہہ! شریف..... کچھ دیر میں ہی دیکھو کس طرح کمبل ہو رہا ہے۔''

''تم بھی تو خوامخواہ الجھ رہی ہو ان سے ورنہ بہت نائس پرسن ہیں۔''

''پلیز جلدی فیصلہ کیجیے' میری نانی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ شیما اس پر مکمل اعتماد بھروسہ کر چکی تھی کہ اسکی پرخلوص شوخی و بے ضرر مسکراہٹ اور باتیں کرنے کا انداز بتا رہا تھا وہ کسی طور پر بھی دھوکہ دینے والا شخص نہیں ہے مگر ادینہ مان کر نہیں دے رہی تھی۔

''ایسے موسم میں آپ لوگوں کو کالج آنا نہیں چاہیے تھا' آپ خاصی بے وقوف اور ضدی لگتی ہیں خیر اس میں آپ کا قصور بھی نہیں ہے۔'' وہ شیما کو راضی اور ادینہ کو ا . پر قائم دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔'' کالج کی لڑکیاں عموماً اسٹوپڈ ہوتی ہیں دماغ کے بجائے دل سے فیصلہ کرتی ہیں مگر..... میں سب گرلز کو نہیں کہہ رہا ہوں' فقط چند ہوتی ہیں آپ کی طرح سر پھری۔ اب دیکھیں ناچھٹی کے بعد تمام گرلز جا چکی ہیں آپ ہی نامعلوم کہاں ٹائم وسیٹ کرتی رہیں۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''لائبریری میں ٹائم کا پتا ہی نہ چل سکا۔'' شیما شرمندگی سے بولی۔

''آپ تو بہت قابل اور جینئس گرل لگتی ہیں' سمجھ گیا ہوں دیر بھی آپ کی فرینڈ کی وجہ سے ہی ہوئی ہے۔'' اس کی نگاہیں ادینہ کے چہرے پر ہی پڑ رہی تھیں جو غصے سے کبھی سرخ ہوتا تو کبھی گلابی ہو جاتا تھا اور اس کا ہر انداز ایک سحر انگیزی لیے ہوئے تھا اور وہ حسن کا شیدائی فدا ہو کر رہ گیا تھا اور شیما اس کی باتوں پر مسکرائے جا رہی تھی اور ادینہ جل کر خاک ہو رہی تھی۔

''پھر کیا خیال ہے آپ کا؟ بارش کے تیور بہت جارحانہ ہیں جلدی نرم پڑنے والے نہیں۔ میں ایک شریف آدمی ہوں آپ نے روکا اور میں رک گیا' میرے بعد اگر آپ نے کسی کو روکا اول تو وہ رکے گا ہی نہیں اور

اگر رک گیا تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ کوئی شریف اور اچھا انسان ہی ہو کوئی چور' بدمعاش نہ ہو۔''

''پلیز ادینہ! چلی چلو ناں ..... کیوں ٹائم ویسٹ کر رہی ہو' بارش دیکھو کس قدر تیز ہو رہی ہے اور ہمارے کپڑے بھی کتنے بھیگ گئے ہیں۔'' وہ اس کی منت کرنے لگی۔

''ویری گڈ! پرائیوٹ کار میں آپ بیٹھتے ہوئے ڈر رہی ہیں کہ کہیں میں آپ کو بھگا کر نہ لے جاؤں اگر ٹیکسی یا رکشے والا اغوا کر کے لے گیا تو پھر.....؟'' وہ ادینہ کو اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے دیکھ کر قدرے جھلا کر گویا ہوا۔

''جیسے آپ کی مرضی' اس سے زیادہ میں آپ کو فورس نہیں کر سکتا' جا رہا ہوں۔' وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا' شیما نے گھبرا کر ادینہ کی طرف دیکھا تھا۔

''کیوں اپنی جان کے ساتھ ساتھ میری جان کی بھی دشمن بنی ہوئی ہو۔''

''بات جان کی نہیں' عزت کی ہے اگر عزت کی چادر پر ایک بار داغ لگ جائے تو دنیا کے تمام سمندروں کا پانی بھی اس داغ کو نہیں دھو سکتا۔'' اس کا لہجہ باوقار و مضبوط تھا' ابوبکر کار میں بیٹھ چکا تھا۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو ادینہ! اس اندھیرے اور برستی برسات میں ہم اسی طرح کھڑے رہے تو نہ جان رہے گی اور نہ عزت۔ قسمت سے ایک فرشتہ نما انسان اللہ نے ہماری مدد کے لیے بھیج دیا ہے' اگر تمہیں آنا ہے تو آجاؤ میں جا رہی ہوں' مجھے نہیں مرنا ہے یہاں۔'' اس کی بلاوجہ کی ضد و انا کی جنگ میں وہ خود کو بچاتی کار کی طرف بڑھ گئی تھی، ادینہ بھی کوئی ناسمجھ و نادان نہ تھی۔ وہ بھی حالات و مواقع کی نزاکت کو بخوبی بھانپ گئی تھی مگر ایک تو اس شخص کی شوخ نگاہیں و چرب زبانی اور چڑانا اسے غصہ دلا گیا تھا۔

''ادینہ آجاؤ پلیز..... آنٹی انکل پریشان ہو رہے ہوں گے' پلیز۔'' وہ جاتے ہوئے پلٹ کر آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر گویا ہوئی تھی اور وہ بھی ہونٹ دانتوں سے کچلتی اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی تھی۔

ابوبکر نے خوش دلی سے ان کو ویلکم کہا تھا اور راستے بھر میں شیما سے بہن بھائی کا رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا البتہ وہ نگاہیں جھکا کر بیٹھی رہی تھی۔ ہوا کا تیز جھونکا ماضی کی بھول بھلیوں سے کھینچ لایا تھا اس نے گہری سانس لے کر کھڑکی بند کی تھی اور بیڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

صدف کے دماغ آسمان پر پہنچے ہوئے تھے شریفہ نے جاتے ہی اس کی بلائیں لینی شروع کر دی تھیں کئی لمحوں تک اسے سینے سے لگائے بیٹھی رہی تھی۔ جنت بھی اس سے ملنے کے لیے آگے بڑھی تو وہ نخریلے لہجے میں بولی۔

''ابھی اماں نے بھینچ کھینچ کر میرا بُرا حال کر دیا ہے تم تو بھئی دور ہی رہو ویسے ہی میں اس حال سے

سے ہوں۔'' وہ سکون سے لیٹ گئی۔

''ہاں ہاں ٹھیک کہہ رہی ہے صدف.....تم جا کر ذرا باورچی خانے کی خبر لو' بہت بھوک لگی ہے موئے ریل کے سفر نے ہڈی ہڈی ہلا کر رکھ دی ہے۔ مجھے تو ابھی بھی ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے ریل چل رہی ہے۔'' شریفہ نے اس کی جانب دیکھے بنا ہی کہا۔ وہ جو صدف کی بے رخی پر شرمندہ سی کھڑی تھی ایک دم ہی ڈھیر سارا نمکین پانی اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگا تھا۔

کچھ لوگ پتھر ہوتے ہیں جن پر جدائی دل کا گذار پن پیدا نہیں کرتی..... وہ گزرتے وقت کے ساتھ سخت ہو جاتے ہیں۔ صدف بھی ان پتھر دل لوگوں میں شمار ہوتی تھی' جنت کا دل سات ماہ بعد اسے دیکھ رک برف کی مانند پگھلنے لگا تھا اور اس نے ایک ہی وار میں اس کے محبت بھرے دل کو کچل ڈالا تھا۔ رخ پھیر کر چپکے سے اس نے آنسو صاف کیے اور آگے بڑھ گئی تھی' باورچی خانہ تلاش کرنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی کہ وہ صدف کے دل کی طرح چھوٹا اور تنگ تھا۔ ساٹھ گز کے اس مختصر سے سرخ اینٹوں سے بنے گھر میں ایک کمرہ اسٹور، صحن اور وہیں ایک کونے میں کچن تھا۔

پڑوس میں لگے کئی درختوں کی شاخیں اس طرف جھکی ہوئی تھیں اور ان کے جھڑتے پتوں نے صحن کے سرخ فرش کو گندہ کیا ہوا تھا۔

چھوٹا سا کچن گندے برتنوں سے اٹا ہوا تھا اور ان پر چپکے مکھیوں کے غول دعوت اڑا رہے تھے شاید اس کی آمد کی خبر ملتے ہی صدف نے برتن دھونے کی زحمت نہ کی تھی اور گرد و پتوں سے اٹا ہوا گھر بھی یہی گواہی دے رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تھی اور دیگچی میں پانی گرم کرنے رکھ دیا تھا۔ پانی گرم ہونے تک وہ گھر کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہو چکی تھی جبکہ اماں بی صدف کے پاس ہی لیٹ کر سو گئی تھیں اور صدف بھی ماں کا ساتھ دے رہی تھی۔ کچن کی حالت سدھارنے میں اسے ایک گھنٹے سے زائد کا وقت لگا تھا اس سے فارغ ہو کر وہ مغرب کی نماز ادا کرنے اسٹور کے ایک حصے میں کھڑی ہو گئی تھی کیونکہ ابھی صدف کے شوہر نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ وہ کھانا لے کر آ رہا ہے پھر گھر میں پکانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔

''ارے..... یہ گھر تو جنت کی مانند خوب صورت لگ رہا ہے' ہم تو ڈر گیا تھا کہ کسی اور کے گھر میں تو نہیں آ گیا۔ مگر تم کو دیکھا تو یقین آ گیا یہ تو اپنا ہی گھر ہے۔'' وہ نماز پڑھ کر اٹھ رہی تھی جب باہر سے بہروز خان کی خوشی و حیرت کی ملی جلی آواز سن کر وہیں رک گئی۔

''آج سے پہلے تو تم نے کبھی گھر کو اس طرح چمکایا نہیں تھا' آج اپنی ماں اور بہن کے آنے کی خوشی میں گھر کو چاند کی طرح روشن کر دیا۔''

''کھانا دو ادھر۔'' اس نے غصے سے اس کے ہاتھ سے شاپر جھپٹتے ہوئے کہا۔

''ارے ہم تعریف کرتا ہے تم غصہ کرتا ہے..... کیا ہوا ہے؟'' وہ منہ پھاڑ کے تعجب سے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''فالتو بات چھوڑو' اندر جاؤ اماں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔'' وہ بگڑے موڈ کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ لو کھاؤ..... اس نے ٹرے لا کر اس کے آگے پٹخی۔

''اور سنو' بہروز سے فری ہونے کی ضرورت نہیں اس کی موجودگی میں یہاں سے کام کے علاوہ ہرگز نہ نکلنا، سن لو کان کھول کر۔'' وہ اسے وارننگ دیتی ہوئی چلی گئی تھی' جنت نے ٹرے کی طرف دیکھا تھا۔ چپلی کباب' نان اور پانی کی بوتل یہ رات کا کھانا تھا دو کباب ایک نان پر مشتمل کباب جل کر سیاہ ہو رہے تھے جن کو حلق سے اتارنا ہی کسی امتحان کے مترادف تھا وہ چھوٹے چھوٹے لقمے کھانے لگی۔

ویسے بھی وہ بچپن سے تنہا کھانے کی عادی تھی' ابا نے بھی اسے ساتھ کھلانے کے لائق نہ سمجھا تھا پھر سوتیلی ماں اور بہن سے کیوں توقع رکھتی۔ وہ لوگ صحن میں ہی کھانا کھا رہے تھے' ان کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بہروز ساس کے سامنے خوب بچھا جا رہا تھا اور شریفہ بیٹی کے چاؤ چونچلوں میں لگی ہوئی تھی' باہر خوشیاں تھیں اور اندر وحشت و سناٹا۔

☆.....☆.....☆

عجیب قحط پڑا ہے اب کے سال اشکوں کا
کہ آنکھ تر نہ ہوئی خون میں نہا کر بھی

بروقت طبی امداد سے نانی جان ہارٹ اٹیک سے بچ گئی تھیں، ایک ہفتے بعد ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آئیں تو ابوبکر نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا' وہ سن کر مسکرا کر گویا ہوئیں۔

''کہاں لے کر جاؤں گے مجھے بیٹا؟ تمہارا اپنا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہے۔''

''آپ جہاں کہیں گی میں آپ کے ساتھ وہیں رہوں گا کہیں نہیں جاؤں گا لیکن یہاں آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ ان کا سر دبا رہا تھا۔

''میں یہاں تنہا کیوں ہوں' سب لوگ ہیں گھر میں۔''

''نانی جان! ہسپتال میں ماموؤں کے علاوہ کوئی بھی دیکھنے نہیں آیا آپ کو میں آپ کو اب کسی قیمت پر یہاں رہنے نہیں دوں گا۔'' اس کے لہجے میں پیار بھری قطعیت تھی۔

ایسے لاڈ ایسے مان کی ان کو اپنے بیٹوں سے امید تھی جو ماں کو بھلائے اپنی بیوی و بچوں میں کھو گئے تھے۔ ہسپتال میں بھی وہ چند لمحوں کے لیے آتے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہیں نانی جان..... انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' وہ انہیں سوچوں میں گم دیکھ کر گویا ہوا انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے شفقت سے کہا۔

''ابوبکر..... مجھے یہیں ایک طرف پڑا رہنے دو' میں بیمار عورت ہوں' دن و رات کب میری طبیعت بگڑ جائے کچھ خبر نہیں وقت کی۔ تم پر تو میں بوجھ بن جاؤں گی بیٹا۔ تم یہاں کیوں نہیں رہتے؟ یہ تمہارا بھی گھر ہے میں تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم باہر ہوتے ہو میری بے کلی و بے چینی بڑھتی رہتی ہے۔''

''میں یہاں رہ کر گھر میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا' لوگوں کو ویسے بھی بہت سے اختلافات و اعتراضات ہیں میری ذات سے جن کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا۔'' اسی دم رمضان بابا چائے کی ٹرے لے آئے تھے۔

''کشمیری چائے بنائی ہے میں نے' اماں بھی کو بہت پسند ہے اور آپ کو بھی۔'' وہ مگ اماں بی کے بعد اس کو تھماتے ہوئے بولے۔

''شکریہ بابا! آپ ہمیشہ یونہی خیال رکھتے ہیں ہمارا۔''

''یہ میرا فرض ہے اماں بی نے اپنی اولاد کی طرح میرا خیال رکھا ہے بہت کم عمری میں' میں نے اس گھر سے محبت پائی ہے۔''

''بابا..... آپ بھی اپنا سامان پیک کرلیں اور کسی ملازمہ کو کہہ کر نانی کا سامان بھی پیک کروائیں، ہم آج رات کی فلائٹ سے مری جارہے ہیں۔'' وہ چائے پیتے ہوئے اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''جی بہتر بیٹا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے تھے اماں بی نے کچھ بولنا چاہا تو وہ نرمی سے گویا ہوا۔

''آپ کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کے لیے گورنس کا بندوبست کردوں گا جو آپ کی کیئر کرے گی۔'' نانی کو سمجھانا بڑا مشکل تھا کہ ان کو اس کے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہ تھا بس وہ اس خوف میں مبتلا تھیں کہ رات میں ان کی طبیعت خراب ہوئی تو اسے پریشانی ہوگی ان کو دمے کی شکایت تھی لیکن وہ بھی مشکل پسند تھا۔ اپنی ضد کا پکا' جو سوچتا وہ کرکے دم لیتا تھا' ان کو ساتھ لے جانے پر راضی کرکے ہی چین لیا۔

نانی نے مری جانے کی بجائے اپنی زمینوں پر جانا پسند کیا تھا جو ایبٹ آباد میں تھیں اور جب تک ان کے شوہر زندہ رہے وہ ان کے ہمراہ اکثر وہاں قیام کرنے جایا کرتی تھیں اب بھی انہوں نے اسی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ان کے جانے کے بعد گھر میں زبردست جشن منایا گیا تھا سب لوگ بے حد خوش تھے۔ ہارون نے ڈانس پارٹی کی تھی، ادینہ نے بھی خوب اس کا ساتھ دیا تھا وہ بھی آج آزادی محسوس کررہی تھی۔ ابوبکر نام کی تلوار جو ہر وقت سر پر لٹکی رہتی تھی آج اس سے خلاصی حاصل ہوئی تھی۔ اس پارٹی میں رشتہ داروں کو مدعو نہ کیا گیا تھا' سب کے دوست ہی انوائٹ کیے گئے تھے۔

لڑکیوں نے اپنی کالج فرینڈز کو بلایا تھا وہ ان کے ہمراہ ہلہ گلہ کرنے میں مصروف تھیں۔ نفیسہ بیگم اور رباب سوسائٹی کی بیگمات میں بیٹھیں اپنے میکوں کی بڑائیاں کررہی تھیں' مرد حضرات سیاست کے ساتھ ساتھ کاروبار کے اپ ڈاؤن کی گفتگو میں مصروف تھے اور ہارون' رباب کی بہن وردہ اور ادینہ کے ساتھ باتوں میں مگن تھا۔ ملازمین مشروبات مہمانوں میں تقسیم کررہے تھے، کھانے کا آرڈر ایک اچھے ریسٹورنٹ کو دیا گیا تھا جو تیار ہوکر آچکا تھا۔

''تھینکس گاڈ! وہ ڈیول یہاں سے دفع ہوا اس کی وجہ سے میں نے یہاں آنا ہی چھوڑ دیا تھا حالانکہ رباب آپ کتنی مرتبہ خفا ہوئی ہیں میرے یہاں نہ آنے پر۔ لیکن میں نے ان کی ناراضگی کی پروا نہیں کی اور یہی کہا جب تک وہ ڈیول اس گھر میں ہے میں آنے والی نہیں ہوں۔''

''دیکھ لو آج اللہ نے تمہاری سن لی، وہ دفع ہوگیا یہاں سے۔'' وردہ کی بات پر وہ مسکراتا ہوا گویا

ہوا۔

''آف کورس..... تب ہی تو میں یہاں دکھائی دے رہی ہوں۔'' اس کے ساتھ وہ دونوں بھی ہنس پڑے۔

''سچ بات تو یہ ہے وردہ! اس کو اور دادو کو بھگانے میں سارا کریڈٹ رباب آنٹی کو ہی جانا ہے انہوں نے بہت ناروا سلوک رکھا ان کے ساتھ۔''

''آخر وہ سسٹر کس کی ہیں؟'' وہ اپنی طرف اشارہ کرکے گویا ہوئیں۔

''مان گئے بھئی۔'' وہ ہنس پڑے ادینہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''تم دونوں گپ شپ کرو' میں دیکھتا ہوں ڈنر کا کیا انتظام ہے۔'' وہ کہہ کر چلا گیا وردہ نے اس کی طرف دیکھا بلیک اور سلور کلر کے فراک میں وہ ہم رنگ جیولری اور میک اپ کیے بہت حسین لگ رہی تھی۔ میرون لب اسٹک سے سجے ہونٹ بات بے بات مسکرا رہے تھے مگر ہونٹوں کا ساتھ آنکھیں نہیں دے رہی تھیں جن میں عجیب وحشت بھری اداسیاں تھرک رہی تھیں۔

''سب سے زیادہ خوشی تمہیں ہوئی ہوگی ابوبکر کے جانے سے ہے نا؟'' وہ اس آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عجیب لہجے میں بولی۔

''ہاں۔'' اس کا لہجہ سادہ تھا مگر وردہ معنی خیزی سے گویا ہوئی۔

''تم ایک بات سچ سچ بتاؤ گی ادینہ.....''

''ہوں' پوچھو؟'' اس نے چونک کر جواب دیا۔

''تم ہارون کے ساتھ خوش ہو؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟'' وہ غصے سے بولی۔

''تم اور ابوبکر پہلے ایک دوسرے کو پسند.....؟''

''شٹ اپ' بکواس بند کرواپنی' میں اس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتی۔'' وہ وہاں سے اٹھی اور کسی بھی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی اور سینڈل سمیت اوندھی بیڈ پر لیٹ کر رونے لگی۔

وردہ کی بات نے اس کے اندر ایک بھونچال سا پیدا کردیا تھا' ایک آگ تھی جو اسے جلانے لگی تھی۔ ماضی کی زنجیر کی ایک کڑی ٹوٹ کر بکھرنے لگی تھی۔

کار اسٹارٹ ہوئی اور موسم پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرگیا گرج چمک بارش لگتا تھا بجلی کسی لمحے ٹوٹ کر گاڑی پر گر جائے گی' دونوں لڑکیوں کا خوف سے بُرا حال تھا۔ وہ بھی ان کی حالت دیکھ کر سنجیدہ ہوگیا تھا' سارے راستے صرف گھر کا ایڈریس پوچھنے کے لیے لب کشائی کی تھی اور چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

بھیگنے کے باعث وہ بخار میں مبتلا ہوگئی تھی پھر ایک ہفتے تک کالج نہ جاسکی تھی۔ موسم کا شکار شیما بھی ہوئی تھی مگر وہ دو دن بعد ٹھیک ہوکر کالج جانے لگی تھی۔ اس دوران شیما جب بھی اس کے پاس آئی اس کی ماما اس کے پاس ملی تھیں۔ وہ کچھ بتانے کی آرزو دل میں لیے واپس چلی جاتی تھی۔

''ارے واہ میرے اکلوتے پن کی سزا تم کو کیوں ملنے لگی ہے؟'' اس نے نمکو کی پلیٹ اس کے آگے رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

''میں جب بھی آئی آنٹی کبھی تمہارا سر درد بارہی ہوتیں، کبھی دم کررہی ہوتیں کبھی بالوں میں تیل ڈال رہی ہوتیں۔ مجھے تم سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔''

''کیا دماغ چل گیا ہے تمہارا؟ باتیں کرتو رہی تھیں اور کہہ رہی ہو بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا ہے ایڈیٹ۔'' وہ کولڈ ڈرنگ اسے پکڑاتے حیرانی سے پوچھا۔

''میں ابوبکر کی بات کرنا چاہ رہی تھی' وہ دیوانہ ہورہا ہے تم سے ملنے بات کرنے کے لیے اس دن سے کئی چکر لگا چکا ہے وہ کالج کے۔''

''وہاٹ..... پاگل ہوگئی ہوتم..... میں اس سے کیوں ملوں گی؟'' وہ کولڈ ڈرنک سے بھرا گلاس ٹیبل پر رکھ کرخفگی سے کہنے لگی۔

''وہ تو ایک ہی نظر میں تمہاری محبت کا شکار ہوگیا ہے رات ودن' صبح وشام وہ تمہارے ہی تصور میں گم رہتا ہے پلیز.....'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر عاجزی سے بولی۔'' وہ بہت اچھا ہے ہرلڑکی ایسے شخص کو آئیڈیل بناتی ہے۔''

''پھرتم بنالو اس کو اپنا آئیڈیل' میری کیوں جان کھارہی ہو؟'' وہ نمکو کھاتی شوخی سے گویا ہوئی تھی۔

''آہ..... ہا' یہی تو بات ہے جب دل گدھی پر آجائے تو پری کیا چیز ہے۔''

''ہا..... تم نے مجھے گدھی کہا' ٹھہرو بتاتی ہوں ابھی۔'' شیما نے پہلے ہی نمکو اور کولڈ ڈرنک ختم کرلی تھی اس کے چہرے سے اندازہ لگا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی پھر وہ آگے آگے اور ادینہ پیچھے بھاگ رہی تھی ان کی ہنسی سے کمرہ گونج رہا تھا۔ اس رات پہلی بارفون پر ان کی بات ہوئی تھی اور حسب عادت وہ محبت کے اظہار کے بجائے چھیڑ چھاڑ ہی کرتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسے یہاں آئے دو ہفتوں سے زائد ہوچکے تھے یہاں بھی پورے گھر کی ذمہ داری اس کے شانوں پر آگئی تھی۔ شروع شروع میں ان ماں بیٹی نے اس پر اور بہروز خان پر سخت پہرہ رکھا تھا پھر ان کو ایک دوسرے سے گریز پا دیکھ کر خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ بہروز خان بے ضرر آدمی تھا اور کچھ بیوی کے رعب میں بھی تھا ویسے بھی آج کل وہ جس ہوٹل میں کام کرتا تھا اس ہوٹل کا مالک ہوٹل فروخت کرکے باہر جانا چاہتا تھا منہ مانگے دام

نہ ملنے کے سبب وہ ہوٹل بھی فروخت نہیں ہوا تھا ابھی مگر کب تک فروخت نہ ہوگا۔ ایک نہ ایک دن وہ فروخت ہوہی جائے گا اور اس کے بعد بے روزگاری کے وہ سخت دن جو اس سے تنہا نہ بتائے جاتے تھے' اب بیوی کا ساتھ اور اس پر چند ماہ بعد بچے کا بھی اضافہ ہونے والا تھا ان تمام خرچوں کا سوچ کر وہ پریشان تھا اور دوسری جگہوں پر نوکری کے لے جانے کے باعث دیر سے گھر آتا تھا۔

''اماں! میرا دل کرا ہے وہ ہوٹل میں خریدلوں۔'' صدف کی خواہش رہ رہ کر ابھرتی۔

''ارے وہ ہوٹل ہے کوئی سوٹ تھوڑی ہے جو تو تین چار ہزار میں خریدلے گی۔ یہ تو لاکھوں کروڑوں کا سودا ہے' اتنی ہماری اوقات کہاں ہے بیٹی۔'' شریفہ ایک لمبی سی آہ بھر کر اسے تسلی دی تھی وہ سرہلا کر رہ گئی۔

یہاں کا موسم بہت اچھا تھا۔ دن میں خوش گوار ہوا چلتی تھی اور رات میں عموماً ٹھنڈ ہو جاتی تھی اور اکثر بارانِ رحمت برسا کرتی تھی۔ اسے یہ جگہ بہت پسند آئی تھی' کراچی کے گرم وحبس زدہ موسم سے بے حد مختلف و سرسبز شاداب کھڑکی سے وہ دیکھتی تھی۔

باہر اونچے اونچے پہاڑ سبزے سے ڈھکے تھے ہر سو سبزہ پھول اور چاندی کی طرح بہتی ندیوں کا پانی اس کے لیے یہ نظارے بڑے دلفریب وخواہناک تھے۔ صدف کی پڑوسن آئی ہوئی تھی وہ بھی صدف کی طرح ہاتونی اور ہر ایک کی خبر رکھنیوالی عورت تھی۔ پورے محلے اور محلے میں رہنے والے لوگوں کے علاوہ ان کے خاندان میں بسنے والے لوگوں کو بھی اسے خبر ہوتی تھی اور وہ ایک ایک بات جب تک صدف کو نہ سنا دیتی مانو اس کے پیٹ کی مروڑ ختم نہ ہوتی تھی' اور اگر کبھی کسی وجہ سے وہ نہ آتی تو صدف اس کے پاس پہنچ جاتی تھی اب شریفہ بھی ان میں شامل تھی۔ تینوں مل کر کسی نہ کسی کے عیب گن رہی ہوتی تھیں، آج اس کا موضوع بالکل جدا تھا۔

دور پہاڑ پر کوئی بنگلہ تھا وہاں ایک ہفتہ قبل کوئی آکر ٹھہرا تھا اس کے حوالے سے ہی گفتگو ہورہی تھی۔ جنت بھی کام سے فارغ ہونے کے بعد کمرے کے باہر چٹائی پر بیٹھی صدف کے آنے والے مہمان کے لے سوئٹر بن رہی تھی۔

''بہت امیر لوگ ہیں وہ گل خان بتارہا تھا' ایک بڑھیا اور اسکا نواسہ نوکروں کے ساتھ رہتا ہے' کوئی دوسری عورت نہیں ہے وہاں۔''

''بہت امیر ہوں گے تب ہی تو چوری ہوئی ہے' ویسے کیا انہوں نے دیکھ بھال کر ملازمہ نہیں رکھی تھی جو دوسرے دن ہی سب لوٹ لاٹ کر بھاگ گئی؟'' ان کی آواز اس کی سماعتوں میں صاف آرہی تھی۔

''دیکھ بھال کر ہی رکھی تھی، پیسہ اور زیور دیکھ کر نیت خراب ہوگئی لیکن گل خان کہتا ہے پکڑی جائے گی' صاحب کی پہنچ بہت اوپر تک ہے پھر دولت کی کمی تھوڑی ہے انہیں لاکھوں روپیہ اور سونا چوری ہونے کے بعد بھی ان کو فرق نہیں پڑا' وہ دوسری ملازمہ کی تلاش میں ہیں۔''

''دوسری ملازمہ کی تلاش میں ہیں..... بہت دولت ہے ان کے پاس پھر تو تنخواہ بھی تگڑی دیتے ہوں گے وہ لوگ؟'' شریفہ کی نگاہوں میں ایک دم کوئی چمک در آئی۔

''ہاں خالہ! کیا تم وہاں نوکری کرے گا؟'' وہ شوخی سے گویا ہوئی۔

''ارے واہ صفیہ! کیسی بات کرتی ہو' بھلا اماں کو کیا ضرورت ہے وہاں نوکری کرنے کی' ہمارے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم اماں سے کسی کی غلامی کروائیں۔'' صدف سخت برا مان کر گویا ہوئی۔

''اے صدف! برا کیوں مان رہی ہے صفیہ مذاق کر رہی ہے۔''

''ہاں دیکھو ناں خالہ..... یہ بالکل طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیتی ہے' میں باز آئی ایسی دوستی سے جہاں لمحہ بھر میں دو کوڑی کی عزت ہو جائے۔'' صفیہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئی چلی گئی دونوں میں سے کسی نے بھی روکنے کی کوشش نہیں کی تھی اس کے جانے کے بعد صدف نے کہا۔

''اماں..... یہاں بیٹھے بیٹھے ہی وہاں دولت لوٹنے چلی گئی ہو کیا؟'' وہ اس کو سوچوں میں گم دیکھ کر لیتے ہوئے چڑ چڑے لہجے میں گویا ہوئی۔ اس نے صدف کو کوئی جواب نہیں دیا دروازے کی طرف منہ کر کے چیختے ہوئے بولی۔

''اری او نصیبوں جلی' یہ چائے کے برتن کیا تیرا باپ اٹھا کر لے جائے گا؟ ایک کام ڈھنگ سے نہیں کرتی ہے ہڈ حرام۔'' جنت جو سوئٹر کو آخری ٹچ دے رہی تھی اون وسلائیاں رکھ کر گھبرا کر اندر بڑھی تھی جہاں اس کی قہر برساتی نگاہوں کا سامنا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

''نانی جان..... ریسٹ کر لیا ہے پولیس نے ملازمہ کو پیسے اور جیولری بھی برآمد ہو گئی ہے' جیولری مین بینک لاکر میں رکھ آیا ہوں۔ یہ پانچ لاکھ روپے آپ کے سیف میں رکھ رہا ہوں جب بھی آپ کو ضرورت نکلوا لیجیے گا۔'' وہ رقم سیف میں رکھنے کے بعد گویا ہوا۔

''بیٹا میں نے پہلے ہی کہا تھا' لاکھوں روپے میرے بیگ میں ایسے ہی نہ ڈالو' رنگ برنگے کاغذ کے ٹکڑوں نے لوگوں کے ایمان بہت کمزور کر دیئے ہیں۔ مجھے خوشی زیورات کے ملنے کی ہے وہ تمام زیور میری بلقیس کی نشانی ہے جو تمہاری بیوی کو دوں گی میں اور سکون سے اس دنیا سے جاؤں گی۔''

''ایسی باتیں نہ کیا کریں آپ' میں خود کو بہت تنہا محسوس کرتا ہو' آپ کے علاوہ میرا ہے کون؟ بتایئے پھر بھی آپ ایسی باتیں کرتی ہیں۔'' وہ بولتا ہوا خفگی بھرے انداز میں ان کے شانے سے لگ گیا۔

''تب ہی تو کہتی ہوں شادی کر لو' تنہائی ختم ہو جائے گی پھر دو سے تین اور تین سے چار ہونے میں وقت نہیں لگے گا اور تم فیملی والے ہو جاؤ گے۔'' انہوں نے شرارت سے کہتے ہوئے اسکے چہرے پر ہاتھ پھیرا'

معاً بابا نے آ کر کسی خاتون کی آمد کی اطلاع دی' وہ سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

''کون ہے' کہاں سے آئی ہے اور کیا کہہ رہی ہے؟''

''وہ کہہ رہی ہے' اماں بی کے لیے گورنس تلاش کر رہے ہیں وہ اسی سلسلے میں آئی ہے۔ گل خان کے توسط سے آئی ہے اس کی پڑوسی ہے۔''

''میں کہتی ہوں بیٹا..... جانے دو اب کوئی ملازمہ نہیں رکھ رہے ایک بار دیکھ لیا انجام اب تو بھروسہ ہی ختم ہو گیا ہے۔'' اماں بی کہہ اٹھیں۔

''اب میں خود ہی ہینڈل کروں گا تمام کنٹرول میرے ہاتھ میں ہو گا آپ نے ملازمہ کو سر پر چڑھا رکھا تھا ایسے لوگوں کو ان کی جگہ پر رکھنا پڑتا ہے ورنہ وہ اسی طرح اپنی کمزور ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔'' اس نے بابا کو اندر بھیجنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہیں سمجھایا تھا چند لمحوں بعد ایک فربہی مائل عورت سلام کرتی بابا کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔

''آپ جاب کریں گی؟ آپ کو خود گورنس کی ضرورت ہے خاتون۔'' وہ اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔

''نہیں..... نہیں صاحب! کام میں نہیں میری بیٹی کرے گی۔'' اتھل پتھل سانس کو قابو کرتے ہوئے وہ سر جھکا کر بتانے لگی۔

''اچھا..... آپ کی بیٹی بھی آپ کی طرح ہی ہو گی؟ ابوبکر کا اشارہ اس کے موٹاپے کی طرف تھا۔ اسے لگا وہ مذاق کر رہا ہے مگر سرد لہجہ و چہرے کے برفیلے تاثرات نے اس کی خوش گمانی کافور کر دی۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

''نہیں نہیں چھوٹی بیٹی مجھ پر ہے جنت تو بہت کمزور نازک سی لڑکی ہے اور کام میں بڑی پھرتیلی ہے' گھنٹوں کا کام منٹوں میں کرتی ہے۔ ہر کام میں طاق ہے' سلائی، کٹائی کڑھائی بنائی.....''

''اسٹاپ' ہمیں یہاں کوئی انڈسٹریل ہوم نہیں بنانا۔'' اس کی چرخی کی طرح چلتی زبان سے وہ چڑ کر گویا ہوا۔

''پڑھنا' لکھنا بھی آتا ہے کچھ یا.....''

''نہیں صاحب جی! میری جنت نے پوری سولہ جماعتیں پڑھی ہیں' اسی سال تو وہ پاس ہوئی ہے سولہویں جماعت میں کوئی چھ مہینے قبل کی بات ہے۔''

''مجھے یقین نہیں ہے' یہ عورت شکل سے جاہل لگ رہی ہے یہ چھ جماعتیں نہیں پڑھا سکتی کہاں ماسٹرز کی باتیں کرتی ہے۔'' وہ نانی سے بڑبڑایا تھا' شریفہ نے بھی اس کی آواز بآسانی سنی تھی۔

''تمہاری بیٹی تو بہت تعلیم یافتہ ہے پھر آیا کی نوکری کیوں کروا رہی ہو؟ اس کو بہت اچھی جاب کہیں بھی مل سکتی ہے۔'' نانی نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر کے شریفہ سے کہا۔

''ہم بہت غریب لوگ ہیں صاحب..... میں نے بہت کوشش کی اور وہ پرائیوٹ امتحان دیتی چلی گئی۔ ملازمت میرے میاں نے نہیں کرنی دی تھی آج کل کا وقت آپ دیکھ ہی رہیں کیسا برا چل رہا ہے۔''

''پھر اب تمہارے میاں نے اجازت کیسے دے دی یہاں ملازمت کرنے کی؟''

''وہ جی میرا میاں بہت بیمار ہے' ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے اس کے علاج کے لیے پیسہ چاہیے۔ اس لیے مجبوری میں وہ راضی ہوا ہے کوڑی کوڑی کے محتاج ہیں ہم لوگ۔'' وہ ٹسوے بہانے لگی۔

''اچھا اچھا باہر جا کر بیٹھو مشورہ کر کے بتاتا ہوں تمہیں۔''

نانی جان کی آنکھوں میں اترتے رحم و ہمدردی کے رنگوں کو دیکھ کر وہ بولا۔ وہ آنسو صاف کرتی گردن ہلاتی وہاں سے نکل گئی۔

''بڑی مجبور و غریب عورت ہے بے چاری' رکھ لو اس کی بیٹی کو۔ سیلری کے علاوہ ٹھیک ٹھاک مدد بھی کر دینا بیٹے..... ضرورت مند لوگوں کی مدد کرنے سے ہی دنیا کے معاملات بھی اچھے ہوتے ہیں اور آخرت بھی سنورتی ہے۔ کیسی بے بسی کی حالت میں اس نے بیٹی کو جاب کی اجازت دی ہے۔'' اس کے باہر نکلتے ہی وہ ابوبکر سے مخاطب ہوئیں۔

''مجھے تو یہ عورت شکل سے ہی فراڈ لگ رہی ہے۔''

''تمہیں تو ہر عورت ہی فراڈ لگتی ہے بیٹا۔'' وہ بات قطع کر کے بولیں۔

''میری پیاری نانی جان..... خفا نہ ہوں آپ کی خوشی کے لیے اس فراڈ عورت کی بیٹی کو جاب دے دیتا ہوں' آپ اس کو حد میں ہی رکھیے گا' بلا جواز نوازشوں اور مہربانیوں سے گریز کیجیے گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے بار بار بے وقوفی نہیں کروں گی' وہ تو بہت ہی چالاک عورت تھی' بھولی بھولی باتیں کر کے بڑی معصوم بن کر وہ مجھ سے زیورات و پیسے کا پتا وٹھکانہ معلوم کرتی گئی اور ایک صبح میرے اٹھنے سے پہلے ہی رفو چکر ہو گئی۔'' پھر آہ بھر کر گویا ہوئیں۔

''کیا ملا اسے دھوکہ دے کر' رسوائی اور جیل کی زندگی۔ باہر آئے گی بھی تو اب نہ نوکری ملے گی اور نہ چہرے پر لگی جرم کی سیاہی صاف ہو گی۔''

''برے کام کا برا انجام ہے نانی جان..... لوگوں میں صبر و شکر کا مادہ ختم ہو چکا ہے۔ راتوں رات امیر بننے کے چکر میں یہی طریقے اختیار کر لیے ہیں۔''

☆.....☆.....☆

وہ بھی پہلی نظر کی محبت کا شکار ہو گئی تھی، ابوبکر نے اس سے براہ راست اظہار محبت نہیں کیا تھا مگر شیما

سے اپنے دل کی ہر بات کہہ گیا تھا اور وہ ایک ایک بات اسے بتا گئی تھی جو دل میں گلابوں کی طرح مہک رہی تھیں۔ اس کی وہ رات اس کے سنگ خوابوں کی طلسماتی وادیوں میں سیر کرتے گزری تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھومتے پھر رہے تھے' چاروں طرف جھرنوں کا مدھیر راگ تھا' ندیوں کا دلآویز ساز تھا۔ خوشبوؤں سے لبریز ہوائیں تھیں، وہ دونوں دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے میں گم تھے۔

ہر سو حسن ہی حسن تھا..... ہر سو خوشیاں رقص کر رہی تھیں ہر سو سحر و کیف تھا۔

صبح بیدار ہوئی تو لبوں پر بڑی مدبھری مسکراہٹ تھی۔ الماری سے سارے ملبوس نکال نکال کر بیڈ پر ڈھیر کر دیئے تھے کوئی بھی سوٹ اچھا نہیں لگ رہا تھا' کسی کا کلر پسند نہیں آ رہا تھا کسی کی ڈیزائننگ پھر بلو اینڈ وہائٹ ایمبرائیڈری والا سوٹ پسند آیا تھا۔ آج بڑا دل لگا کر وہ تیار ہوئی تھی آئینے میں بار بار جائزہ لینے کے بعد باہر آئی تھی۔ ناشتے کی ٹیبل پر ماما اور پاپا نے اس کی تعریف کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ شیما اور ابوبکر کے سامنے تھی اس نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا تھا جبکہ وہ اُس کی پُرشوق نگاہوں سے گھبرا کر سلام کرنا ہی بھول گئی تھی اور ایسی بدحواسی چھائی تھی کہ جواب بھی نہ دے پائی تھی۔

''آپ کے ہاں سلام کرنے اور جواب دینے کا رواج نہیں؟'' وہ اس کی حالت سے حظ اٹھاتا ہوا چھیڑنے لگا۔

''ارے ابوبکر بھائی! یہ گھبرا رہی ہے دراصل اس نے پہلی بار کلاسز بنک کی ہیں اور ڈر رہی ہے کوئی دیکھ نہ لے' چلیے نا۔''

شیما نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے مشکل آسان کی تھی۔

''کہاں چلنا پسند کریں گی؟'' اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

چل چلیئے دنیا تے اس نکڑے
جتھے بندہ نہ بندے دی ذات ہووے

شیما کی شرارت پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگانے لگا تھا۔ ہنسی تو ادینہ کو بھی آئی جسے وہ ضبط کر کے اس کی چٹکی بھر بیٹھی تھی۔

''اُف کتنی زور سے نوچا ہے ظالم۔'' وہ بازو سہلاتی ہوئی کہہ اٹھی۔

''حسین لوگ ظالم و بے رحم ہوتے ہیں سسٹر! آج تو قیامت بن کر آئی ہیں' اللہ ہی خیر کرے ابھی آپ کو نوچا ہے مجھے شاید مار ہی ڈالیں گی۔'' وہ بیک مرر میں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''اب میں اتنی بھی پاگل نہیں ہوں۔'' غصہ اسے فوراً آتا تھا بے ساختہ بولی تھی۔

''رئیلی آپ اتنی نہیں..... مطلب کم پاگل ہی' لیکن پاگل ضرور ہیں؟ شما سسٹر آپ نے مجھے کہاں پھنسا

دیا۔ ”پہلے بتایا تو ہوتا......“

”شیما! ان سیکھو اپنی بکواس بند کریں‘ ورنہ۔ میں ابھی کار سے اتر جاؤں گی، مجھے نہیں بیٹھنا ایسے فضول لوگوں کے ساتھ۔“

وہ اس کی بات قطع کر کے شدید غصے میں لاک کھولنے لگی۔

”اونہہ......کیا سچ مچ پاگل ہوگئی ہو؟ چلتی ہوئی گاڑی سے اترو گی؟“ اس نے جھپٹ کر لاک لگا کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

آپ کو ابھی بھی یقین نہیں آیا ان کی بات پر، انہوں نے اپنا تعارف کروایا تھا ناں پھر چلتی گاڑی سے چھلانگ مارنے کا عملہ مظاہرہ کر کے اپنا پاگل پن دکھانا چاہ رہی تھیں۔“ اس کی مسکراہٹ سنجیدگی میں بدل گئی تھی، **ادینہ کا چہرہ ابھی تک غصے سے سرخ ہو رہا تھا‘ اس نے شیما کا ہاتھ بھی جھٹک دیا تھا۔**

”ادینہ......تمہارا یہ بات بے بات غصہ کرنا اور لمحوں میں بدگمان ہو جانا کہیں تمہیں نقصان ہی نہ پہنچادے‘ بھائی تو تم سے مذاق کر رہے تھے اور تم اتنی سیریس ہوگئی کہ سارا موڈ آف کر کے رکھ دیا۔“ شیما نے خاصی برہمی سے کہا تھا۔

”مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے شیما۔“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ بھی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا‘ ایک بوجھل خاموشی طاری تھی۔

”ایم سوری......میری غلطی کی وجہ سے آپ دونوں اپ سٹ ہو گئے ہیں۔“ کچھ دیر بعد وہ کان پکڑ کر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”میں ناراض نہیں ہوں‘ تم بھائی کو مناؤ تم نے ان کو ہرٹ کیا ہے۔“

”میں بھی ایک شرط پر مانوں گا۔“ وہ اس سے خفا نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرو پھر......“

☆.........☆.........☆

”جنت او جنت......“ شریفہ نے دروازے سے گھستے ہی اسے بڑے پیار سے آوازیں لگانا شروع کر دی تھیں، وہ جو اسٹور میں بیٹھی نیو بورن بے بی سیٹ تیار کر رہی تھی چھوٹی ماں کی آواز پر شاکڈ رہ گئی۔

”میری بچی جنت!“ اس کے لہجے سے پھول جھڑ رہے تھے۔

”صدف اماں کو آج کیا ہو گیا ہے وہ ایسی آوازیں تو تجھ کو لگاتا ہے اس کو تو گالی بک کر بات کرتا ہے۔“ صدف کے پاس بیٹھا بہروز خان پریشان لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

”تم نے قصائی کو دیکھا ہے نا بہروز خان! بکری کو ذبح کرنے سے پہلے وہ اسے خوب کھلاتا پلاتا ہے

پیار کرتا ہے‘ بس سمجھو جنت بکری ہے اور اماں قصائی۔“ اس کی خوشی سے باچھیں کھل گئی کہ اماں کی چہکتی ہوئی آواز بتا رہی تھی وہ کامیاب لوٹی ہیں۔

”کیا بات کرتا ہے یارا......! جنت بکری......اماں قصائی؟“

”تمہاری اخروٹ کھوپڑی میں یہ باتیں نہیں آئیں گی‘ تم بازار جاؤں اور کھانا لے کر آؤ‘ آج جنت کی دعوت کریں گے۔“ بہروز خان حیران سا گھر سے نکل گیا۔

”چھوٹی ماں......! آپ نے مجھے آواز دی؟“ وہ جھجکتی ہوئی باہر آئی۔

”جنت میری بیٹی! مجھے معاف کر دے۔“ وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا ہاتھ پاؤں بے جان ہونے لگے تھے۔

کیا قیامت آگئی......کیا سورج مغرب سے طلوع ہوا تھا......کیا زمین و آسمان ایک ہو گئے تھے؟

”میں تیری قدر نہ کر سکی میری رانی...... مجھے اپنی مری ماں کے صدقے میں معاف کر دے‘ جو میں نے تیرے ساتھ کیا اس کے بدلے میں جوتی اٹھا کر مار مجھے۔“

قیامت نہیں آئی تھی‘ سورج بھی مشرق سے ہی طلوع ہوا تھا اور زمین بھی اپنی جگہ پر قائم تھی۔ آسمان بھی اوپر تنا کھڑا تھا‘ دل کی دنیا صرف اس کی ماں اور بہن کے دلوں کی بدلی تھی جہاں امیر بننے کے خوابوں نے تعبیر پالی تھی۔ پڑوسن کے مذاق پر آگ بگولہ ہونے والی صدف ماں کے ساتھ مل کر اسے آیا بنانے کے منصوبے بنا چکی تھی‘ اب دونوں ماں بیٹی اسے گھیرے بیٹھی تھیں۔

”میرے گھر کے حالات دیکھ رہی ہونا تم؟ بہروز کی نوکری کبھی بھی چھوٹ جائے گی ادھر میری ڈلیوری قریب آ رہی ہے خون کی بہت کمی ہے اور کمزوری علیحدہ......ڈاکٹر نے کہا ہے آپریشن کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور آج کل ڈاکٹرز اس قدر حرام خور ہو چکے ہیں کہ آپریشن نہ بھی ہو تو پیسے کمانے کے لیے آپریشن کر دیتے ہیں پھر اور پیسہ بٹورنے کے لیے بچے کو نرسری میں ڈال دیتے ہیں۔ ان سب کے لیے پیسہ ہی پیسہ چاہیے‘ وہ ہم کہاں سے لائیں گے۔“ صدف کے لہجے میں درد ہی درد تھا۔

”اللہ نے اس کی گودی ہری کی ہے اگر بچے کو کچھ ہو گیا تو بہروز تو کھڑے کھڑے اسے طلاق دے گھر سے نکال دے گا پھر بتا بیٹی، ہم کس کو منہ دکھائیں گے؟ تمہارا باپ جو پہلے ہی اس شادی کے خلاف تھا خود بھی مرے گا اور اسے بھی مار ڈالے گا۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”تم میری بہن ہو اور بڑی بہنیں تو چھوٹی بہنوں کی خاطر قربانی دیا کرتی ہیں۔ تم صرف چند ماہ وہاں کام کر لو‘ کچھ پیسے جمع ہو جائیں گے تو پھر ہم خود یہ نوکری چھڑوا دیں گے۔ اماں ان پیسوں میں تمہارا جہیز بھی بنا لیں گی‘ تمہاری بھی اب شادی کی عمر ہو گئی ہے۔“ اس نے بڑی محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

”چھوٹی ماں......میں کس طرح وہاں کام کروں گی...... نہ جانے وہ لوگ کیسے ہیں‘ کیا مزاج ہے......

کیا پسند کرتے ہیں؟ میں یہ کام نہیں کر سکوں گی۔' وہ ایک عجب دوراہے پر آن کھڑی تھی نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے پلٹ سکتی تھی اور کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا اس کے انکار پر شریفہ کی تیوریاں چڑھنے لگیں۔ وہ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھانے ہی والا تھی کہ صدف نے آنکھ کے اشارے سے ٹھنڈا رہنے کی تلقین کی اور خود محبت سے گویا ہوئی۔

''اگر تم نہیں چاہتی ہو کہ ہمارے کام آسانی سے ہو جائیں تو ہم تم کو بالکل مجبور نہیں کریں گے یہ سب محبت کے سودے ہوتے ہیں۔''

''مجھے غلط مت سمجھو صدف۔ میں تم سب کو خوشیوں کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں مگر اجنبی لوگوں میں کس طرح.....''

''ارے اپنی جان رکھوا اپنے پاس ہونہہ وہ اور ہی بیٹیاں ہوتی ہیں جو گھر والوں کی عزت کی خاطر اپنی عزت نیلام کر دیتی ہیں۔ تم جیسی نہیں جو گھر والوں کی ضرورتوں کے لیے کسی کی ذرا سی خدمت سے انکار کر دے۔ واہ بی بی واہ..... تم نے بتا دیا سو تیلے..... سوتیلے ہوتے ہیں۔'' شریفہ کی پھول برساتی زبان ایک دم ہی شعلے اگلنے لگی تھی وہ اٹھ کر بڑبڑاتی صدف کے اشارے پر اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''جنت..... اماں کی باتوں کا برا نہیں ماننا یار' وہ ابھی غصے میں ہیں' غصہ اترے گا خود ٹھیک ہو جائیں گی۔ تم آرام کرو بہروز کھانا لینے گیا ہے' رات کا کھانا ہم سب ساتھ کھائیں گے۔'' وہ پیار سے کہتی چلی گئی۔ وہ اٹھ کر اسٹور میں آ گئی' وہ اس کی واحد پناہ گاہ تھی' زندگی میں پہلی بار ابھی چند لمحوں قبل اس نے اپنوں کی محبت کا پیار بھرا امرت کا رس چکھا تھا۔ وہ صرف ایک ننھی سی بوند تھی' معمولی سا چھینٹا تھا لیکن اس کے محبت کے پیاسے دل کو کسی حد تک سیراب کر گئی تھی اور ساتھ ہی پیاس کو حد سے سوا بھی کر گئی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ محبت خالص نہ تھی' مفاد پرستی' خود غرضی و لالچ کے وجود سے بنی جھوٹ و مطلب پرستی تھی مگر کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں ان کو ان کی پوری کمینگی کے باوجود قبول کرنا پڑتا ہے۔ سانپ کے گلے میں پھنسی چھچھوندر کی طرح جس کو نہ وہ نگل سکتا ہے اور نہ اُگل سکتا ہے۔

☆.....☆.....☆

صدف نے کمرے میں آ کر دروازہ لاکڈ کیا اور غصے سے بھری بیٹھی اماں کے قریب بیٹھتی ہوئی دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

''اماں..... ایسے کام غصے سے نہیں ہوتے' تمہیں ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی۔''

''ارے تو نہیں سمجھی ہے ابھی تک وہ جب کسی بات کی ضد کر لیتی ہے تو پھر اس پر مار اثر کرتی ہے نہ گالی۔ پڑھائی کے معاملے میں بھی اس نے میری ایک نہ سنی تھی اور آج بھی مجھے لگ رہا ہے وہ نہیں مانے گی اور یہ موٹی رقم جو ایڈوانس لائی ہوں' وہ واپس کرنی پڑے گی۔'' وہ قمیص کی جیب سے ہرے نوٹوں کی گڈی نکالتی ہوئی فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

''اماں' اتنے سارے نوٹ..... انہوں نے ہاتھ کے ہاتھ دے دیئے۔'' نوٹ اٹھائے خوشی و حیرانی سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''ہاں آہستہ بول کہیں وہ نانجار سن نہ لے' پورے پچاس ہزار ہیں دو ماہ کا ایڈوانس ہے اگر اس کا کام پسند آ گیا تو پورے سال کا ملے گا اور بونس الگ ملے گا۔ وہ بڑھیا بڑی ہی دیالو لگ رہی ہے البتہ اس کا نواسہ بہت کھڑوس اور بد دماغ ہے دو کوڑی کی عزت کر کے رکھ دی ہے اس نے غریب کو وہ انسان ہی نہیں سمجھتا ہے لیکن وہ بڑھیا بڑی سخی ہے اس نے مجھے چائے کے ساتھ برگر بھی کھلایا اور کہنے لگی جب بھی کوئی ضرورت پڑے تو بلا خوف ان سے جا کر کہوں وہ پوری کریں گی۔ میں نے سوچ لیا ہر ہفتے پہنچ جایا کروں گی' کوئی نہ کوئی کہانی بنا کر کچھ نہ کچھ ملے گا وہاں سے۔'' وہ ایک آنکھ دبا کر ہنستی ہوئی گویا ہوئی۔

''ماں..... اب تو مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے جنت نہ مانی تو پھر کیا ہوگا؟ پہلے تو سوچ رہی تھی وہ چلی جائے گی تو گھر کون سنبھالے گا' مگر اتنے پیسوں میں ہم خود ملازمہ رکھ لیں گے' تم کسی طرح اس کو مناؤ۔''

''وہ کیا اس کا باپ بھی مانے گا' پیار سے نہ مانی تو لاتوں سے مناؤں گی۔'' وہ ایک عزم سے اٹھی مگر پھر لاتوں استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے ان کی جھوٹی دکھاوے کی محبتیں حاصل کرنے کے لیے خود کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا پھر بھی ایک موہوم سی امید جگمگائی تھی' آس کے بادلوں میں دبا ننھا سا ستارہ چمکا تھا۔

''چھوٹی ماں..... ابا کوئی اعتراض نہیں کریں گے؟''

''لو وہ کیوں اعتراض کرنے لگا بھلا؟ وہ تو خوش ہے تو اس کے لیے کماؤ' پوت بن گئی ہے۔ پھر سچ تو ہے اب تمہارے ابا کی بوڑھی ہڈیوں میں دم بھی نہیں رہا ہے کام کرنے کا عمر کا آخری حصہ وہ سکون سے گزارے گا۔''

''لیکن..... ابا تو میری جاب کرنے کے سخت خلاف تھے؟''

''وہ شہر تھا' پھر علاقے میں سارے غنڈے موالی رہتے تھے کوئی اغوا کر کے عزت خراب کر دیتا پھر کیا ہوتا؟'' اس کے ماتھے پر بل در آئے تھے۔

''ہوں' ان اجنبی لوگوں پر اتنا بھروسہ کیوں ہے؟ شہر ہو یا گاؤں تنہا شکار کے لیے بھیڑیئے ہر جگہ مل جاتے ہیں لیکن کیا میں شکار ہو جاؤں؟ نہیں اس سے پہلے موت کو گلے لگا لوں گی۔''

''کن سوچوں میں گم ہو گئی ہو جنت..... بہروز تمہارے لیے اتنے مزے کا کھانا لایا ہے اور تم کھا نہیں رہیں۔'' وہ پلاؤ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

''فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ لوگ شریف اور نیک ہیں تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا اور اگر کوئی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو مجھے فون کر دینا اسی وقت اس کی آنکھیں نوچ کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔'' وہ سالن سے لتھڑے ہاتھ چاٹتی ہوئی اطمینان سے بولی۔

☆.....☆.....☆

درد کے سمندر میں خود کو اتارا کب تھا
ہم تو ڈوب گئے تھے تم کو پکارا کب تھا
سب فیصلے تو قدرت طے کرچکی تھی پہلے
ہمارے ہاتھ میں مقدر کا ستارہ کب تھا

صبح وہ اپنا لاشہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے اماں کے ساتھ نکلی تھی صدف دروازے تک الوداع کہنے آئی تھی۔ شریفہ کے ڈانٹنے کے باوجود بھی اس کے آنسو ہچکیوں' سسکیوں میں بدل گئے تھے۔ وہ شال میں چہرہ چھپائے چھوٹا سیاہ بیگ اٹھائے شریفہ کے پیچھے چل رہی تھی یہ ایک طویل گلی تھی جس کے اختتام پر چھوٹا سا بازار تھا اور اسٹاپ جہاں سوزوکی کھڑی تھی اس میں اور بھی عورتیں سوار تھیں ان کے بیٹھنے کے بعد سواریاں پوری ہوگئی تھیں۔ سوزوکی اونچے نیچے راستوں پر بھاگی جارہی تھی۔

ایک گھنٹے کے سفر کے بعد پھر پیدل مارچ شروع ہوا اور کچھ دیر بعد ہی وہ ایک خوب صورت سبزے و پھولوں سے ڈھکی عمارت میں داخل ہوئی تھیں اور اسے لگا' یہ اس کا مدفن آگیا ہے۔ وہ یہاں سے کبھی زندہ واپس نہ جاسکے گی۔ آنسو کی چادر اسکے آگے تن گئی تھی' کئی جگہوں پر رک کر اس کی ماں اپنا تعارف کروارہی تھی اور انہیں بھیجا جارہا تھا اور کئی راہداریاں و کمرے عبور کرکے وہ ایک کمرے میں پہنچی تھی۔

''بیگم صاحبہ..... یہ ہے میری بیٹی جنت۔'' بیڈ پر نیم دراز خوش شکل و خوش اخلاق بڑی عمر کی خاتون کو سلام کرکے شریفہ نے اسے بھی اسلام کرنے کا کہا' انہوں نے جواب دیتے ہوئے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ارے یہ کیا' تم اس قدر کیوں رو رہی ہو جنت.....!'' وہ متعجب تھیں۔

''وہ..... وہ پہلی بار مجھ سے جدا ہورہی ہے نا' رات سے ہی رو رو کر اس نے اپنا حال خراب کرلیا ہے۔''

''جنت..... تم یہاں رہنے میں خوش نہیں ہو کیا؟'' ان کے سوال پر شریفہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی اور اس کو ٹہوکا دے کر جلدی سے کہنے لگی۔

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں بیگم صاحبہ۔''

''تم چپ کرو میں تم سے نہیں پوچھ رہی' جنت بتاؤ تم پر زبردستی تو نہیں کی جارہی یہاں جاب کرنے

کے لیے ڈرو نہیں شاباش۔'' انہوں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے جنت سے پوچھا۔

''جی نہیں میں اپنی مرضی سے آئی ہوں۔'' وہ بھاری آواز میں بولی۔

''آپ کی تسلی ہوگئی بیگم صاحبہ' اب میں جاتی ہوں دیر ہوگئی تو سواری نہیں ملتی۔'' اسے خوف تھا' بڑھیا نے دو تین بار اور پوچھا تو جنت سچ بول دے گی اور اس کے خواب چکنا چور ہو جائیں گے۔ چائے کو بھی اس نے منع کردیا تھا جنت کی پیلی پڑتی رنگت دیکھے بنا وہ اس سے سرسری گلے مل کر الٹے پاؤں بھاگی تھی مڑ کر زاروقطار روتی جنت کو بھی نہ دیکھا تھا پھر گیٹ سے باہر آکر اپنے بپھرے سانسوں پر قابو پایا پھر یاد آیا کہ کرائے کے نام پر ہی کچھ روپے بڑھیا سے وصول کرنے چاہیئے' یہ سوچ کر اندر جانا چاہا تو چوکیدار بولا۔

''صاحب کا حکم ہے اب تم اندر نہیں جاسکتا' واپس جاؤ یہاں سے۔''

''آئے ہائے کیوں خان! میں اپنی بچی سے ایک اور بار ملنا چاہتی ہوں۔''

''اب تم لڑکی سے نہیں مل سکتا' دو مہینے کا تم کو پیشگی روپیہ مل گیا ہے اب تیسرا مہینہ یہاں پر آنا لڑکی سے بھی ملنا اور روپیہ بھی لے کر جانا۔''

''ارے واہ.....! کیسا نہیں مل سکتا؟ میں نے لڑکی یہاں بیچی نہیں ہے۔''

''تم ایسے نہیں مانے گا' تمہارا کھوپڑی میں سوراخ کرنا پڑے گا۔'' چوکیدار نے ہاتھ میں پکڑی بندوق اس پر تانی تو وہ ہاتھ جوڑتی وہاں سے چلی گئی۔ چوکیدار نے مسکراتے ہوئے گھنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''تمہاری سگی ماں تو نہیں لگتی وہ..... سوتیلی ماں ہے نا؟''

اماں بی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آنسو صاف کیے پھر پانی پلایا۔'' میں سمجھ گئی ہوں وہ تمہاری سوتیلی ماں ہے۔ سگی ماں کا دل پتھر نہیں ہوا کرتا۔'' پھر وہاں موجود بابا سے مخاطب ہوئیں۔'' رمضان..... جنت کو کمرے میں لے جاؤ ابھی یہ تھوڑا آرام کرے پھر باقی باتیں بعد میں ہوگی' بہت تھکی ہوئی نڈھال لگ رہی ہے۔''

''بیٹی..... کچھ چاہیے تو بتاؤ؟ وہ اسے ایک کمرے میں لے آئے تھے جو پردوں سے ڈھکا ہوا تھا بھینی بھینی مہک وہاں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے بابا کو انکار کردیا تو وہ چلے گئے اور ساتھ ہی دروازہ بھی بند کر گئے تھے وہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ نرم گرم بستر نے اس کے آنسو پھر سے رواں کردیئے تھے اور روتے روتے کسی لمحے اس کی آنکھ لگ گئی اور جب آنکھ کھلی تو کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا وہ خوف زدہ ہوئی اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی دروازے سے باہر نکلی تو وہاں بھی اندھیرا تھا اور ابھی وہ آگے بڑھ ہی رہی تھی کہ ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی اور دوسرے لمحے وہ کسی کی آہنی گرفت میں تھی۔

''مجھ سے بچ کر جاؤ گی؟'' وہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ جماتا غرایا تھا۔

☆.....☆.....☆

مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھوں میں لاکھوں کی تقدیریں ہیں
جدا جدا ہیں دھرم علاقے ایک ہی لیکن زنجیریں ہیں
آج اور کل کی بات نہیں ہے صدیوں کی تاریخ یہ ہی ہے
ہر آنگن میں خواب ہیں لیکن چند گھروں میں تعبیر ہیں

''میرے ہوتے ہوئے تم چوری کر کے کہاں جا سکتی ہو؟'' اس نے ایک جھٹکے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا اور ہاتھ میں پکڑا بیگ چھینا تھا اور اسی ٹائم تمام لائٹس آن ہو گئی تھیں' دونوں کی نگاہیں بے ساختہ ٹکرائی تھیں۔ ایک میں وہم و خوف بھرا تھا' دوسرے میں وحشت و طاقت چمک رہی تھی۔

''میں نے پاور ہاؤس کمپلین کر دی ہے آج صبح سے ہی بجلی آ جا رہی ہے۔ باہر سے وائرز میں کچھ فالٹ ہو گیا ہے۔'' وہ دور سے بولتے ہوئے آئے تھے' قریب آئے تو صورت حال دیکھ کر گھبرا کر گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا.....! یہ جنت ہے' اماں بی کے لیے آئی ہیں۔ کل وہ خاتون جو آئی تھیں' اپنی بیٹی کی ملازمت کی بات کر کے گئی تھیں یہ وہ ہی صاحب زادی ہیں۔'' رمضان بابا نے ان تک پہنچتے پہنچتے پوری وضاحت دی تھی۔

''میں اس عورت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا' وہ نمبر ون چالاک و جعلساز ہے اور دیکھ لو اس کی بیٹی نے آتے ہی واردات بھی کر ڈالی۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بیگ میں کیا بھر کر لے جا رہی تھی۔'' اس نے پریشان کھڑی جنت پر قہر آلود نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا اور بیگ کی زپ کھول کر الٹ دیا تھا۔ دوسرے لمحے ماربل کے چمک دار فرش پر اس کے پرانے ملبوسات بکھر گئے تھے جن کو اس نے جوتے کی نوک سے ادھر اُدھر اچھالا تھا اور اطمینان سے آگے بڑھ گیا تھا کیونکہ ان کپڑوں میں کم مائیگی و غربت کی پرچھائیوں کی علاوہ کچھ نہ ملا تھا۔

''خیال نہیں کرنا بیٹی..... چند روز قبل ہی ملازمہ نے دھوکہ دیا ہے' اسی لیے صاحب کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ وہ ہی مثال ہے سانپ کا ڈسا رسی سے بھی خوف زدہ رہتا ہے۔'' رمضان بابا کے لہجے میں کچھ شرمندگی تھی۔

''جی بابا۔ میں سمجھتی ہوں غلطی میری ہے کمرے میں اندھیرا دیکھ کر میں گھبرا کر باہر نکلی تھی۔ کچھ دیر روشنی ہونے کا انتظار کر لیتی تو ایسا نہیں ہوتا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں اپنی ہی غلطی مان رہی تھی رمضان بابا کو

وہ دبلی پتلی کھڑے نقوش و سانولی رنگت کی لڑکی خاصی بے ضرر اور پر خلوص لگی تھی اور ایک ہفتے میں ہی ان کے ساتھ ساتھ اماں بھی جنت کی سادگی، وفاداری اور خدمتوں کی گرویدہ ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ابوبکر کے ساتھ کئی ملاقاتوں میں اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ وقت کس طرح سے پنکھ لگا کر اڑنے لگا تھا۔ اس کی سنگت میں دنیا بے حد دلکش و حسین ہو گئی تھی۔ اس کی مدھر پُرکاتی باتیں، شوخیاں و شرارتیں، مستقبل کے سہانے سپنے اور ان سپنوں کی رانی بنی وہ اردگرد سے اس قدرے بے خبر ہو گئی کہ گھر میں موجود ماما کو بھی بھول گئی کہ وہ اور پاپا اس سے بے حد محبت کرتے تھے مگر ماما کی محبت میں صرف محبت ہی نہ تھی' وہ اس پر کڑی نظر بھی رکھا کرتی تھیں۔ شروع میں بہت محتاط روی سے وہ اس کا جائزہ لیتی رہی تھیں اور اس کی حالت سے بہت کچھ ان پر منکشف ہو چکا تھا۔ وہ اس دن ابوبکر سے ملنے جا رہی تھی اور دل سے ملنے کے لیے اتنا اندھا ہو رہا تھا کہ وہ ماں کے بگڑے تیوروں کا اندازہ ہی نہ لگا پائی تھی۔

''ادینہ..... مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑی بار بار اپنا جائزہ لے رہی تھی معاً وہ آ کر ہوئی تھیں۔

''جی ماما' اس نے ان کے سخت و سنجیدہ لہجے پر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''میں کئی روز سے دیکھ رہی ہوں آپ بہت بدلی بدلی لگ رہی ہیں۔ ہمارے درمیان ہوتے ہوئے بھی آپ ہمارے پاس نہیں ہوتی۔ آپ کا ہر انداز ایک نئے روپ میں بدل گیا ہے' آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں؟ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا بیٹی۔''

''اوہو ماما..... آپ کو ہر وقت میری فکر لگی رہتی ہے' اب میں کوئی دودھ پیتی بچی تھوڑی ہوں۔ میں بڑی ہو گئی ہوں' کچھ چینج تو مجھ میں آئے گا نا۔'' ماں کے لہجے میں اسے شک و شبہات محسوس ہوئے تو قدرے چڑ کر کہنی لگی۔

''مجھے احساس ہے بیٹا۔ آپ بڑی ہو گئی ہیں، اسی لیے کہہ رہی ہوں آپ کی یہ ہر وقت کی بے چینی، بے قراری' بلاوجہ ہنسنا، تنہا تنہا مسکرانا، بڑبڑانا مجھ سے مخفی نہیں ہے پھر میں دیکھ رہی ہوں تمہارا دل جو کبھی گھر سے باہر جانے کو نہ چاہتا اب تم اکثر ہی کسی نہ کسی دوست کے گھر جانے کو تیار رہتی ہو۔ ایسا لگتا ہے گویا تمہیں میری اور اپنے پاپا کی فکر ہی نہیں ہے' اس گھر سے تمہاری دلچسپی وانسیت دن بدن ختم ہوتی جا رہی ہے۔''

''ارے..... ایسا کچھ بھی نہیں ہے ماما۔ آپ تو.....''

''مجھے نا سمجھ نہ سمجھو ادینہ..... تمہاری عمر سے میں بھی گزری ہوں۔ جوانی کی رنگوں بھری شام سے میں بھی گزر کر بڑھاپے کی اندھیری رات میں داخل ہوئی ہوں۔ تمہارے اس من میں کل تک جو ماں و باپ کے

لیے محبت کے دیے روشن تھے ان چراغوں میں کسی نئے چراغ کا اضافہ ہو گیا ہے جس کی چمک میں تمہاری آنکھوں میں بھڑکتی ہوئی دیکھ رہی ہوں۔'' ادینہ نے کم گو و سنجیدہ ماں کے لبوں سے جو یہ سچائی بھری گفتگو سنی تو چند لمحے سن ہو کر رہ گئی اس کی ماں کون سا جادو جانتی تھی۔

''شاید تم نے مجھے صرف اپنی ماں ہی سمجھا کبھی دوست نہیں سمجھا۔ مجھے اپنی دوست سمجھو بیٹا..... ماں سے بڑھ کر کوئی بھی سچا ہمدرد و پیار کرنے والا نہیں ہوتا..... مردوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا' بہت کم مرد پروانوں کی مانند شمع پر نثار ہونے کی جرات و وفا رکھتے ہیں وگرنہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر تعداد مرد نما بھنوروں کی ہے جن کا کام ہی ایک کے بعد دوسرے پھول کا رس پی کر تیسرے کی تلاش ہے۔'' وہ ماں تھیں اور ماں تو اولاد کے چہرے و چال کے انداز سے ہی اس کے دل کی کیفیت و احساسات کو سمجھنے کے ہنر سے واقف ہوتی ہے مگر اولاد سمجھتی ہے وہ سب کی طرح اپنے دل کا بھید ماں سے بھی چھپالے گی اور یہی بھول ہوئی ہے۔ وہ بھی دل میں چور چھپائے برابر ان کو انکار کرتی رہی تھی' نامعلوم ان کو یقین آیا یا نہیں مگر ان کی آنکھوں میں گہری سوچ کر پر چھائیاں تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ کھڑکی سے دیکھ رہا تھا' جنت اطمینان سے لاؤنج میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا پھر پانچ منٹ تک کھڑا کچھ سوچتا رہا تھا۔ جنت جو فیشن ایڈیشن ملبوسات کے ڈیزائن دیکھنے میں مصروف تھی ایک دم ہی چہرے پر ٹھنڈا پانی پھینکے جانے پر ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی تھی اور سامنے کھڑے ابوبکر کو دیکھ کر خوف و بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''نانی جان کی میڈیسن کا ٹائم ہو چکا ہے اور تم یہاں مزے سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی ہو' یہ ڈیوٹی ہے تمہاری؟'' وہ اس طرح دبے پاؤں اندر آیا تھا کہ نہ اس کی آہٹ محسوس ہوئی تھی اور نہ ہی وہ اسے قریب رکھی ٹیبل سے پانی سے بھرا گلاس اٹھاتے دیکھ سکی تھی جو بڑی اشتعال انگیزی سے وہ اس کے چہرے پر اچھال چکا تھا۔

''میں..... میں اماں بھی کو میڈیسن دے چکی ہوں۔'' اس کی سرخی نظروں کی کاٹ اس کا رواں رواں گھائل کر دیتی تھی۔

''کیا..... ٹائم سے پہلے؟ تم اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیسے کر سکتی ہو؟ ٹائم تو اب ہوا ہے اور تم.....''

''دوا میں ٹائم پر کھا چکی ہو۔ جنت دوا دے کر ہی یہاں آئی تھی' ارے یہ پانی.....'' وہ اس کے بولنے کی آواز سن کر اندر آئی تھی اور جیسے ہی نگاہ ان کی جنت کے بھیگے چہرے پر پڑی وہ سرعت سے قریب آ کر اپنی گرم شال سے اس کا چہرہ صاف کرتی ہوئی غصے سے گویا ہوئیں۔

''یہ یقیناً تمہاری حرکت ہوگی ابوبکر..... اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔''

''نانی جان..... یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ آپ کی شال گیلی ہو رہی ہے' ٹھنڈ لگ جائے گی آپ کو۔'' اس نے بڑھ کر ان کو اس سے دور کرنا چاہا۔

''میری طرح یہ بچی بھی انسان ہے' اس کو بھی ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' انہوں نے خفگی سے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ دور کر کے کہا۔

''جاؤ جنت..... کپڑے بدل کر آؤ' گیلے ہو گئے ہیں۔'' وہ اس سے نرمی سے گویا ہوئی تھیں جو گم صم سی کھڑی تھی۔ ان کے حکم پر اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی' وہ سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

''غیروں کا بڑا خیال ہے آپ کو اپنی کوئی فکر نہیں ہے خوامخواہ آپ نے شال بھگو ڈالی۔ حد ہوتی ہے کسی سے ہمدردی کرنے کی بھی۔''

''اور کسی غریب کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے کی بھی حد ہوتی ہے۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

''اس لڑکی کی ماں کو منہ مانگے پیسے دیئے گئے ہیں اور آپ نے اسے سر پر بٹھا لیا ہے۔ ڈیئر نانی جان..... نوکروں کو اتنا سر نہیں چڑھاتے پھر وہ سر کا درد ہی بن کر رہ جاتے ہیں۔'' وہ اپنی بات پر قائم تھا۔

''ارے چھوڑو ان باتوں کو جنت پر تو اس کی مکار ماں کی پرچھائی بھی نہیں پڑی' بڑی بھولی بھالی بچی ہے۔ چہرہ نہیں دیکھتے کتنا معصوم ہے؟'' وہ سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''معصوم چہرہ!'' اسکے اندر ایک الاؤ سا بھڑکا۔

''معصوم چہرے والے ہی تو اندر سے دنیا جہاں کے چالاک و مکار ہوتے ہیں۔'' وہ کہتا ہوا اٹھا تھا' اس کی آنکھوں میں سرخی پھیلنے لگی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ ابھی آئے ہو اور جا رہے ہو؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''سوری نانی جان ایک کام یاد آ گیا ہے' ڈنر پر ملاقات ہوتی ہے۔''

☆.....☆.....☆

ماضی کیا ہے؟ گزرا ہوا کل اور اسے وہ گزرا ہوا کل..... کل نہیں آج محسوس ہوتا تھا۔ اس بیتے کل نے اسے برسوں بعد بھی بے کل رکھا تھا۔ ملک ملک' قریہ قریہ' شہر شہر گھومنے کے بعد بھی حبس زدہ یادوں کی گھٹن سے نہ دل آزاد ہوا تھا نہ روح کو قرار مل پایا تھا۔ یادیں بن بلائے مہمانوں کی مانند آئی تھیں اور زور آوری سے دل و دماغ پر قابض ہو جاتیں پھر ان کی تواضع یادوں کے رستے زخم ہی ہوا کرتے تھے۔ اس وقت بھی نانی کی سادگی میں کی گئی بات اس کے کسی زخم کو تازہ کر گئی تھی پھر وہ ان کے پاس بیٹھا نہ تھا۔

کار دوڑاتا بہت دور نکل آیا تھا' شام ابھی دور تھی مگر چاروں طرف پھیلے پہاڑوں نے سورج کی پشت

کے پیچھے دھکیل دیا تھا جس نے ماحول میں سرمئی اجالا بکھیرا ہوا تھا۔ پہاڑوں سے گرتے جھرنوں نے زمین پر تیز روپانی کی ندی بنادی تھی۔ ہر سو ہریالی تھی اور تیز چلتی ہواؤں نے ماحول میں خنکی پھیلا رکھی تھی اس کو اس خنکی کا احساس نہ تھا۔ اس نے کار سے نکل کر بہتی ندی کے کنارے پڑے پڑے بڑے پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ کر دوسرے سے ٹیک لگالی تھی اور ذہن چکی کی مانند گھومنے لگا تھا۔

وہ نانی کے کمرے میں آیا تو وہاں سب گھر والوں کے علاوہ رباب کی بہن وردہ بھی موجود تھی۔ وہ سلام کرتا ہوا نانی کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

''کیا بات ہے ابوبکر...... آج تو اتوار ہے اور آپ آج بھی گھر سے غائب تھے۔ ہم لوگ آپ کا سارا دن انتظار کرتے رہے اور آپ نہ جانے کہاں سیر سپاٹوں میں گم رہے۔ لگتا تھا گھر آنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔'' اس کے بیٹھتے ہی خالد ماموں نے پیار بھرے لہجے میں میں شکایت کی تھی۔

''کچھ خاص نہیں ماموں، کچھ دوست مل گئے تھے' ان کے ساتھ وقت گزرنے کا کوئی احساس ہی نہیں ہوا۔'' اس کی نگاہوں میں ادینہ کا حسین سراپا لہرایا تھا اور لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ بھر آئی تھی۔

''ہوں، اس خاص دوست کا نا کیا ہے؟ جس کی سنگت میں تم کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا؟'' وہاں موجود ہارون نے مسکراتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا تھا۔ وہ اسے گھور کر رہ گیا جبکہ سب مسکرا رہے تھے معاً رباب گویا ہوئی تھی۔

''ارے یہ کیا بات کی آپ نے ہارون، ہر ایک کی زندگی میں کوئی نہ کوئی خاص دوست ضرور ہوتا ہے اسی طرح ابوبکر کے فرینڈ پر آپ کو شک نہیں کرنا چاہیے۔ اماں بی، ٹھیک کہہ رہی ہوں نہ' کچھ غلط تو نہیں کہہ دیا میں نے؟''

''تم بھلا بھی غلط کہہ سکتی ہو بہو، تمہاری تمہاری باتیں تو ہمیشہ ہی سچی وکھری ہوتی ہیں البتہ نفیسہ بہو اپنی ایثار پسندی اور نرم طبیعت کے باعث عموماً اختصار سے کام لے لیتی ہیں لیکن میں فخر سے کہتی ہوں۔ میری دونوں بہوئیں لاکھوں میں ایک ہیں' ان کی بدولت ہی میرا گھر مسرتوں کا گہوارا ہے۔'' ان کے لہجے میں طمانیت وآسودگی تھی' ایک مکمل خوش حال گھرانے کا سکھ تھا۔

''آج کوئی اسپیشل بات ہے سب بہت خوش وایکٹو ہیں؟''

''سرپرائز ہے تمہارے لیے' گیس کرو کیا ہے وہ؟'' ہارون نے کہا تھا۔

''میرے لیے سرپرائز؟'' اس نے حیرانی سے سب کے چہرے دیکھے تھے۔ سب مسکرا رہے تھے رباب کے برابر میں وردہ بیٹھی تھی، بالوں کی اونچی پونی بنائے چیونگم چباتی ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس کے سرخ لبوں پر گہری مسکان تھی۔

''ہاں سرپرائز! میرے بھائی سرپرائز۔''

''ہارون! مت تنگ کرو بھائی کو اماں بی! یہ خوش خبری آپ ہی دیں تو زیادہ اچھے لگے گا۔'' نفیسہ ہارون کے بعد اماں بی سے مخاطب ہوئی تھیں اور پھر جو خوش خبری اماں بی کی زبانی اس تک پہنچی تھی۔ اس خبر سے اسے اپنے لیے ساری خوشیوں کے راستے مسدود ہوتے محسوس ہوئے تھے پھر بمشطول اس لیے نہ پکڑ سکی تھی کہ کچھ اچانک آنے والے مہمانوں کی وجہ سے اماں بی کے علاوہ ان سب کو ہی وہاں سے لیونگ روم میں جانا پڑا تھا۔ اماں بی کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کے چہرے پر پھیلتے ناپسندیدگی کے رنگ پہچان لیے تھے۔ اس کی رائے جاننے کے لیے وہ دانستہ وہاں سے نہ گئی تھیں۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو؟'' اس کے سوال پر وہ سر جھکائے لب بھینچے خاموش بیٹھا رہا تھا۔

''خاموشی بھی انکار کی صورت ہوتی ہے۔'' انہوں نے اس کی طویل خاموشی کے بعد سنجیدگی وملائمت سے کہا تھا۔

''لیکن میں پوچھوں گی' آخر تمہارے انکار کی کیا وجہ ہے؟ وردہ اچھی اور وقت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی لڑکی ہے۔ اس دور میں ایسی خوب صورت و ماڈ لائف پارٹنر کی تلاش ہر لڑکا کرتا ہے۔''

''سوری نانی جان' مجھے کبھی بھی وردہ جیسی لڑکی کی تلاش نہیں رہی جو ہر جگہ ہر وقت کیٹ واک کرتی' فضول و بے ہودہ ایٹی ٹیوڈ دکھاتی نظر آتی ہے نہ ان میں مشرقیت ہوتی ہے اور نہ مذہبیت میں ایسی نمائشی لڑکی سے شادی کر کے اپنی آنے والی نسلوں کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتا۔'' نہ اس کی آواز دھیمی تھی نہ وہ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا۔ ممانی کی اس بہن کو وہ اکثر وہ بیشتر یہاں دیکھتا تھا اور ہر بار وہ نامعقول لباس میں ملبوس ہوتی تھی۔

اس کے کپڑوں میں جینز ٹائٹس اور شارٹ شرٹس ہوتی تھیں جن میں عموماً سلوز آؤٹ ہوتی تھی۔ وہ بے تکلفی سے باتیں کرنے اور اونچے اونچے قہقہے لگانے کی عادی تھی۔ لڑکیوں سے زیادہ ہارون' وارث اور مورنی سے اس کی بنتی تھی۔ اس سے بھی اس کی علیک سلیک تھی' مگر وہ فری نہ ہوا تھا۔

''مذہب کی بات تو تم ایسے کررہے ہو بیٹا' جیسے خود بڑے مولوی ہو تم؟ جمعے کے علاوہ کوئی نماز تم سے ادا نہیں کی جاتی اور اس پر انگلی اٹھا رہے ہو؟'' اماں بی کے لہجے میں پریشانی وتفکر تھا۔

''کوشش یہی ہے کوئی بھی نماز قضا نہ ہو؟ لن شاء اللہ ایک دن ایسا ہوگا۔''

''اللہ پر تم کو اتنا یقین ہے بیٹے' پھر ایسی فساد والی بات کیوں کر رہے ہو؟ جب تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت ملے گی' وردہ کو بھی مل ہی جائے گی۔ ویسے بھی عورت موم کی طرح نرم فطرت والی ہے جس سانچے میں ڈھالنا چاہو گے ڈھل جائے گی۔ تم فکر نہ کرو' بس ہاں کردو۔''

''موم اور سانچہ.....'' وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرا کر گویا ہوا۔

''وہ ایسی بلا ہے جو سانچہ ہی توڑ کر رکھ دے گی نانی جان۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ابوبکر..... اب اس گھر کی خوشیوں کا دارومدار صرف تمہاری ہاں پر ہے۔ اگر تمہارے ناں کی خبر رباب تک پہنچ گئی تو پھر سمجھو کچھ بھی سلامت نہیں رہے گا۔ رباب کی خصلت میں ناگن پن ہے اس سے دوستی رکھنا ہی سب کی خوشیوں کی علامت ہے وگرنہ اس کا زہر نہ زندہ رہنے دے گا' نہ مرنے کے قابل چھوڑے گا۔''

''آئی ڈونٹ کیئر اینڈ مائی فٹ۔'' وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔

'زندگی ایک بار ملتی ہے..... اور شادی بھی ایک بار ہی کرنے کا حامی ہوں میں۔''

''ہوں..... تو صاف کہو ناں تم نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے اور اس کے لیے ہی تم کسی کی بھی پروا نہیں کر رہے ہو' بہت خوب۔''

''میں آپ سے بعد میں بات کروں گا' ابھی آپ غصے میں ہیں۔'' وہ کہہ اٹھا اور تیزی سے نکل گیا۔ اندرونی دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑا باتیں سنتا وجود مجسمہ آگ ہی آگ بنا ہوا تھا' دہکتی و بھڑکتی آگ.....

☆.....☆.....☆

''بنڈل آف تھینکس آپو، آپ نے میری لائف خوشیوں سے بھر دی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' ابوبکر جیسا ویل آف' ڈیشنگ، چارمنگ مرد میرا بن جائے گا اور وہ میرا بن گیا۔ اس کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے سو نائس آف یو مائی سویٹ سسٹر!'' اس نے موقع ملتے ہی رباب کا رخسار چومتے ہوئے کہا تھا۔

''اسٹرابری شیک پیو گی تم؟'' وہ فریج سے باؤل میں رکھیں سرخ سرخ اسٹرابری نکالتی ہوئی سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ارے میں اتنی ایکسائٹڈ ہو رہی ہوں اور آپ تو خاصی ٹینس لگ رہی ہیں' کیا ہوا آپو؟ کوئی بات ہوئی ہے کچھ دیر قبل جب آپ نے ہمارے رشتے کی بات کی تھی تب آپ بے حد خوش تھیں۔ بڑی بے صبری سے ابوبکر کا ویٹ کر رہی تھیں، اب ایسا کیا ہوا جو آپ کا موڈ آف ہو گیا ہے؟'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

''بس اچانک ہی سر میں درد شروع ہو گیا ہے اور پھر مہمان بھی آ گئے ہیں دونوں ملازمہ چھٹی پر ہیں۔ بھابھی مہمانوں کو کمپنی دے رہی ہیں اس لیے کچن کی ذمہ داری میری ہے۔'' وہ شیک کا سامان کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''مہمانوں کے لیے اس قدر تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہر چیز بازار میں تیار ملتی ہے کچھ بھی

منگوا کر ان کے سامنے رکھ دیں کیا ضرورت پڑ گئی دوسروں کے لیے خود کو تھکانے کی۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''اس گھر میں اماں بی کے رائج کردہ اصول کے پابند ہیں سب، ان اصولوں میں یہ اصول بھی شامل ہے کہ مہمانوں کی خاطر تواضع گھر سے بنے مشروبات اور کھانوں سے کی جائے خواہ بازار سے چیزیں منگوا کر آپ ٹیبل بھر دیں مگر گھر سے بنی کوئی ڈش مشروب مینیو میں شامل ضرور ہونی چاہیے۔''

''ہونہہ بوڑھے لوگ ایسے ہی کریزی ہوتے ہیں دراصل ان کو خود تو کچھ کرنا نہیں ہوتا ہے صرف بیٹھ کر حکم چلاتا ہوتا ہے۔'' وہ شانے اچکا کر گویا ہوتی ہے۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم اماں بی ایسی ہی فطرت کی مالک ہیں۔ مہمانوں کے آنے سے بہت خوش ہوتی ہیں مجھے تو لگتا ہے کچھ عرصے بعد وہ گھر کو گیسٹ ہاؤس ہی بنا ڈالیں گی۔'' وہ جو سر بلنڈر میں دودھ شوگر وغیرہ ڈالتی بولیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا آپو۔'' وہ آئس کیوبز نکالتی مسکرا کر بولی۔

''چند ماہ بعد میں ابوبکر کی زندگی میں داخل ہو جاؤں گی اور پھر.....'' اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر رباب کی طرف دیکھا تھا اور رباب اندر ہی اندر سلگ رہی تھی کیونکہ ابوبکر کی آنکھوں و چہرے سے جھلکتی ناپسندیدگی وہ بھانپ گئی تھی پھر اسی اندیشے کی تصدیق کے لیے وہ پردے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی تھی اور اندیشے سچ ثابت ہوئے تھے۔ اس نے بڑی بے مروتی سے اپنے اور وردہ کے قائم ہونے والے نوزائیدہ رشتے کو نہ صرف ٹھوکر ماری تھی بلکہ کسی لڑکی کو پسند کرنے کا اقرار بھی کر گیا تھا اور اس کا انکار وردہ کی ہی نہیں خود ان کی بھی توہین تھی۔

''پھر کیا تیر مار لو گی تم؟ ابوبکر کو حاصل کرنا تو گویا لوہے کے چنے چبانا ہے' چبا سکو گی؟'' وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے کیا آپو؟''

''تم ابھی اپنے روم میں جاؤ' میں وہیں آ کر بات کرتی ہوں۔''

''نہیں نہیں' مجھ سے برداشت نہیں ہوگا میں ویٹ نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے ابھی بتائیے کیا ہوا ہے' ابوبکر کو کوئی اعتراض ہے' اس نے کچھ کہا ہے؟'' کم عقل تو وہ بھی نہ تھی پھر ابوبکر کی خاموشی و سنجیدگی نے اسے کوئی خوش کن احساس نہ بخشا تھا اور وہی دھڑکا دھڑکنوں کو ڈرانے لگا تھا۔

''اس نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے وردہ.....'' وہ گہری سانس لے کر گویا ہوئیں۔

☆.....☆.....☆

اماں بی کو ایک چپ سی لگ گئی تھی' ابوبکر کو بھی گویا نہ ان کی چپ کی پروا تھی اور نہ رباب کی بڑبڑاہٹوں

کی جو اس کی اور اماں بی کی موجودگی میں کچھ زیادہ ہی بلند و ترش ہو جایا کرتی تھی۔ وہ گھر جس کو اماں بی جنت سے تشبیہہ دیا کرتی تھیں، ابو بکر کے انکار نے اس گھر کے ماحول کو بدل کر رکھ دیا تھا گو کہ ابھی یہ بات صرف گھر کے بڑوں تک محدود تھی اور ابو بکر کو بھرپور طریقے سے راضی کرنے کی سعی بھی کی جا رہی تھی مگر رباب کو کسی پل چین نہ تھا وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگتی جا رہی تھی۔ اس کی انا پرست و خود پسند طبیعت احساس توہین سے مضطرب تھی اس کے غصے اور خفگی کو دیکھتے ہوئے اس نے اسے سمجھانے کی کئی بار کوشش بھی کی۔

''مجھے افسوس ہے ممانی، میں آپ کی خواہش پوری کرنے سے قاصر ہوں۔ دراصل کچھ عرصہ قبل ہی میں کسی لڑکی کو پسند کر چکا ہوں' اس سے جیون بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو.....'' وہ تنہائی میں انہیں سمجھا رہا تھا۔

''شرمندہ ہوں' لیکن کیا کروں؟ میں نہ ادینہ کو دھوکہ دے سکتا ہوں اور نہ وردہ کو جھوٹے وعدوں کے رشتوں میں باندھ سکتا ہوں' آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا؟''

''سب سمجھ رہی ہوں میں اچھی طرح سے وہی بات ہے لوگ جس تھالی میں کھاتے ہیں سوراخ بھی اسی تھالی میں کرتے ہیں۔ ارے اتنے سے تھے تم جب تمہاری ماں مر گئی تھی' تمہیں پالا پوسا اتنا بڑا ہم نے کیا اور **جب اس درخت کے پھل دینے کا وقت آیا تو مالی کوئی اور بن بیٹھا ہے۔'' وہ ہاتھ کے اشارے سے جتاتے ہوئے جتانے لگی تھیں۔**

''مائنڈ یور لینگویج' میری پرورش نانی جان نے کی ہے، آپ لوگوں کا کوئی احسان نہیں ہے۔ کس احسان فراموشی کا طعنہ دے رہی ہیں آپ مجھے؟'' اس نے ہمیشہ خود مختار زندگی گزاری تھی' کبھی ایک پیسے کے لیے بھی ان کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا تھا۔ الٹا ان کی خواہشات پر ہی پیسہ لٹا رہا تھا پھر ان کے رعب میں کیوں آتا بھلا۔

ایسا ہی ہوتا ہے وقت نکلنے پر سب یوں ہی آنکھیں دکھاتے ہیں اور میری بہن کے لیے تم ہی کوئی دنیا کے آخری مرد نہیں بچے ہو۔ بہت ہیں ایسے مرد جو اس سے شادی کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ وہ تو میں ہی بے وقوف تھی جو تمہارا خیال کر بیٹھی، دیکھنا کیسے دھوم دھام سے وردہ کی شادی کرتی ہوں۔'' وہ اسے گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆

دھوپ اپنی سنہری شعاعیں سمیٹ رہی تھی اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سرمئی غبار چھانے لگا تھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی باہر بکھرے سبزے کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں آئے اسے کئی ہفتے ہو گئے تھے' شروع شروع میں یہاں بھی اسے خاصی الجھن' پریشانیاں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اماں بی کا انداز دیا سا تھا رمضان بابا نے بھی محتاط روی اختیار کی ہوئی تھی بلکہ وہ چھپ چھپ کر اس کی ہر جگہ نگرانی کیا کرتے تھے اور یہ بات انہوں نے

معذرت کرتے ہوئے چند دن قبل بتائی تھی کیونکہ وہ ان کے اندازوں سے بھی زیادہ بھولی و بے ضرر ثابت ہوئی تھی۔ کم کھانا، کم بولنا اور خدمت کرنے کے لیے ہر وقت حاضر رہنا' کسی بھی وقت کوئی بھی مشقت والا کام ہو وہ بنا منہ بنائے، بن جتائے سعادت مندی سے کرنا شروع کر دیتی تھی۔

سوتیلی ماں کے ظلم سہہ سہہ کر بلا چوں و چراں غلامی کرنے کی اس کی عادت پختہ ہو گئی تھی۔ اماں بی جیسی نرم طبیعت و پرخلوص عورت اپنی طبیعت پر زیادہ جبر نہ کر سکی تھیں۔ جنت کی خدمتوں و محبتوں کا اعتراف صرف زبانی ہی نہیں' مالی طور پر کرنے لگی تھیں اور وہ ہر بار انکار کر دیا کرتی تھی۔

''بہت عجیب لڑکی ہو تم' پیسوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ایسے خوف زدہ ہو جاتی ہو گویا یہ نوٹ نہ ہوں سانپ و بچھو ہوں۔'' آج بھی انہوں نے کچھ بڑے نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے انکار کر دیا تھا۔

''مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں اماں بی..... یہ آپ چھوٹی ماں کو دیجیے گا۔''

''تمہاری چھوٹی ماں کو تو دوں گی چند ہفتے رہتے ہیں سیلری دینے میں۔ یہ تو میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں جب سے آئی ہو یہ دو تین سوٹ دھو دھو کر پہن رہی ہو' رمضان کے ساتھ مارکیٹ سے کپڑے وغیرہ لے آؤ اور پریشان نہ ہونا میں یہ پیسے سیلری میں سے نہیں کاٹوں گی۔'' **وہ شفقت سے مسکرائی تھیں۔**

''میرے کپڑے ٹھیک ہیں اماں بی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''خاک ٹھیک ہیں بار بار دھلنے سے رنگ پھیکے پڑ گئے ہیں اور پھر تمام کپڑے آؤٹ آف فیشن ہو گئے ہیں۔ تم کیوں خود پر بڑھاپا طاری کر رہی ہو جنت۔ ارے ایسے کپڑے اس عمر میں میں بھی نہیں پہنتی ہوں' پھر تمہاری عمر ابھی شوخ رنگوں کی بارش میں بھیگنے کی ہے' چڑیوں کی طرح چہچہانے کی ہے۔ تم تو دنیا کو بالکل ہی خیر باد کہہ کر بیٹھ گئی ہو۔'' وہ اس کے دوپٹے کے حصار میں لپٹے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں جہاں گہری اداسیاں ڈیرے ڈالے ہوئی تھیں۔ وہ ٹکر ٹکر ان صورت دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''یہ ایک عمر رسیدہ عورت جس کے لہجے سے امرت ٹپکتا ہے جس کی آنکھوں میں ممتا ہر وقت روشنی بن کر موجود رہتی ہے۔ ایسی مٹھاس' ایسی چمک کی تلاش اس کی روح کو ہمیشہ رہی تھی۔ آج ملی تھی تو اسے بہت عجیب سا احساس ہوتا تھا' کیا محبت خریدی جا سکتی ہے' کیا احساس فروخت ہوتے ہیں؟ وہ یہاں ملازمہ تھی اپنی خدمت کے عوض رقم لیتی تھی' وہ اس محبت کی اہل نہیں ہے اس شفقت کی مستحق نہیں ہے۔ اسے تو غلامی کے بدلے میں بھی جھڑکیاں گالیاں و مار طعنے ملتے تھے۔ اماں بی کی دنیا شریفہ کی دنیا سے بالکل مختلف و خوب صورت بھی ماسوائے ایک شخص جو ظلم و زیادتی میں شریفہ سے بھی آگے تھا۔''

''اپنا خیال رکھا کرو بیٹی' تم اپنا خیال نہیں رکھو گی تو کوئی بھی نہیں رکھے گا تمہارا خیال یہ لوگوں کے دستور بھی بڑے عجیب ہوتے جا رہے ہیں۔ کسی کو کسی کا خیال ہے اور نہ ہی پروا ہے جب ہی تو لوگوں کے ہجوم

بیکراں میں ہر کوئی تنہائی اور اکیلے پن کا شکار ہو رہا ہے۔'' انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلی یاسیت دیکھتے ہوئے رنجیدگی سے کہا۔

''اماں بی..... ابھی دنیا قائم ہے اور میں سوچتی ہوں جس دن دنیا میں ایک بھی اچھا انسان نہ رہا۔ اسی دن دنیا فنا ہو جائے گی' ان اچھے لوگوں میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے آپ بہت اچھی ہیں اماں بی۔'' عقیدت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''اچھی تو تم بھی ہو بیٹی۔ اچھے لوگوں کو ہی دوسروں میں اچھائی دکھائی دیتی ہیں وگرنہ لوگ دوسرے لوگوں کو بھی برائیوں میں مبتلا کر کے خوش ہوتے ہیں۔''

''میرا دل کرتا ہے کاش میرے ہاتھ میں کوئی جادو کی چھڑی آ جائے اور اس چھڑی کو میں گھما کر دنیا کو نفرت و لالچ سے پاک کر دوں پھر ہر جگہ محبت کے پھول مہکتے ہوں ہر سو خلوص و چاہت کے رنگ بکھرے ہوں پھر دنیا کس قدر خوب صورت ہو جائے گی زندہ رہنا کس قدر اچھا لگے گا۔'' وہ آنکھیں بند کر کے تصور کی جنت میں گم کہہ رہی تھی اس بات سے بے خبر ابوبکر دروازے کے پاس کھڑا سب سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سخت ناگواری تھی۔ وہ ان کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی اور اسے یہ بے تکلفی کہاں پسند تھی۔

''نانی جان..... آپ نے مجھ سے پرامس کیا تھا بھول گئی آپ؟'' اسے دیکھ کر جنت برق رفتاری سے کھڑی ہوئی تھی۔ ان کی بھی حالت ایسی تھی گویا چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہوں، اس کا انداز بھی پولیس والا ہی تھا۔

''تم کہاں غائب رہنے لگے ہو بیٹا۔ دن بدن تمہاری مصروفیات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔'' وہ شکایتی انداز میں گویا ہوئیں۔

''میرے سوال کا جواب گول کرنے کی کوشش نہ کیجیے نانی جان۔''

''جنت ..... کافی بنا کر لاؤ اور دیکھنا رمضان رات کے لیے کیا پکا رہا ہے؟'' وہ اڑی اڑی رنگت والی جنت سے مخاطب ہوئی تھیں تاکہ وہ منظر سے غائب ہو اور حکم ملتے ہی وہ حسب عادت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھی۔

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کسی بھی ملازم کو آپ فری نہیں کریں گی اور کچھ دنوں میں ہی آپ سب بھول کر وہی پرانی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کیا ضرورت ہے آپ کو اس دو ٹکے کی ملازمہ کو اپنے قریب بٹھانے کی؟'' وہ بیٹھا نہیں تھا سینے پر ہاتھ باندھے ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔

''جنت کو ملازمہ مت کہا کرو' میرے دل کو ٹھیس لگتی ہے ابوبکر۔''

''ملازمہ کو ملازمہ نہیں تو ملکہ کہوں نانی جان' دل کو قابو میں کیجیے اپنے دھوکے پر دھوکے کھاتی آ رہی ہیں آپ اپنوں سے نہ غیروں سے پھر بھی ہر کسی پر یقین کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔'' عجیب سا لہجہ تھا اس کا با ادب

بھی اور معترض بھی۔

''میں نے جب بھی محبت کی ہے فقط محبت کی ہے۔ کبھی بھی نفع و نقصان، سود و ضیاع کا حساب نہیں رکھا۔ میرا ایمان ہے جو ہم دیتے ہیں وہ ہی ہمیں ملتا ہے۔ گلاب کے بدلے گلاب' خار کے بدلے خار، محبت بانٹو گے محبت پاؤ گے۔ بے زاری کے جواب میں بے زاری۔''

''گزر گئے وہ دن نانی جان' جب پیار کے بدلے پیار اور چاہت کے بدلے چاہت ملتی تھی۔ اب دینے والے دیتے رہتے ہیں اور لینے والوں کو' لینے کی لت پڑ جاتی ہے۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے دوسروں کا بھی حق اپنا مال سمجھ کر چھین لیتے ہیں' آپ غاروں کے دور سے باہر تشریف لے آیئے۔''

''ارے کھڑے کھڑے بحث کیے جاؤ گے یا بیٹھو گے بھی۔''

''گستاخی معاف، میں بحث نہیں کر رہا صرف آپ کو سمجھانے کی سعی کر رہا ہوں کہ اس ملازمہ پر زیادہ بھروسہ نہ کریں۔'' وہ ان کی قریب بیٹھ گیا۔

''خود تو آدھی آدھی رات تک غائب رہتے ہو جب دل چاہتا ہے کھڑے کھڑے میری خیریت پوچھنے کو آ جاتے ہو۔ تمہیں نہ میری تنہائی کا خیال ہے نہ اکیلے پن کا احساس اور اگر جنت سے کچھ دل کی بات کر لوں تو اس پر بھی اعتراض ہے۔ ارے اس سے اچھی تو میں کراچی میں ہی تھی وہاں تنہائی کا احساس تو نہ ہوتا تھا۔ مجھے واپس بھیج دو وہاں پر بس۔'' وہ بھرے بادلوں کی مانند برستی چلی گئیں۔

''سب جانتا ہوں' وہاں کتنی چاہت ملتی تھی آپ کا باہر سے آنے والی آوازوں کو سن کر تنہا بیٹھ کر خوش ہوتی ہوں گی آپ۔'' اس کے لہجے میں بالکل بھی طنز نہ تھا دکھ کی گہری کاٹ تھی۔

''اگر میری پروا کرتے ہو تو.....''

''شادی کر لوں تاکہ جو آپ کے ساتھ میرا سکون بھی برباد کر دے۔'' وہ ان کی بات قطع کر کے سنجیدگی سے کہہ اٹھا۔

''لو..... اب بات بھی پکڑنے لگے ہو میری۔'' وہ سخت برا مان گئیں۔

''ارے ..... اللہ میری توبہ، جو میں آپ کی بات پکڑوں۔'' اس نے دھیمے سے مسکرا کر دونوں کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''دراصل آپ کی باتیں مجھے اس قدر ازبر ہو گئی ہیں کہ بلا ارادہ ہی منہ سے نکل جاتی ہیں ابھی بھی اسی طرح ہوا۔''

''پھر تو مان کیوں نہیں جاتا شادی کر لے گا سب کی زبانیں تیرے خلاف زہر اگلنا بند کر دیں گی۔'' وہ پھر مصر ہوئیں۔

''نانی جان..... دنیا میں اور بھی غم ہیں شادی کے سوا''

''اونہو..... غلط بات نہ کرنا' شادی کرنا تو سنت ہے۔

''آپ سنت و نفل کو کیوں لا رہی ہیں باتوں کے درمیان' بات کیا ہو رہی تھی اور آپ کہاں پہنچ گئی ہیں۔ میں نے یہ کہنا تھا کہ کل ملازمہ کی والدہ کو آنا ہے' سیلری دینی ہے اسے ویسے میری کوشش یہی ہوگی گھر میں رہوں بالفرض کسی ایمرجنسی میں مجھے کہیں جانا بھی پڑ گیا تو آپ ہوشیار رہے گا وہ عورت خطرناک ہے۔''

''تم فکر مت کرو میرا کچھ نہیں کر سکتی وہ۔''

''خیر یہ مجھے بھی پتا ہے وہ کچھ نہیں کر سکتی..... تمام ملازمین اور واچ مین کو میں نے اس عورت کے متعلق سخت ہدایات پہلے ہی دے رکھی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس لالچی عورت کے آگے اپنی رحم دلی و سخاوت کے مظاہرے کم ہی کیجیے گا۔''

''تم کیا سمجھتے ہو' تمہاری دولت میں آنکھیں بند کر کے لٹا رہی ہوں؟''

''جس طرح چاہیں لٹائیں آپ کی ہی دولت ہے۔ مگر اچھے لوگوں پر لٹائیے' لٹیروں پر نہیں۔'' وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

☆.....☆.....☆

رمضان بابا کے ہاتھوں کافی بھیج کر وہ کاؤنٹر پر رکھی سبزیاں کاٹنے کھڑی ہوگئی تھی۔ دل کی حالت ابھی بھی سنبھلی نہیں تھی ابوبکر کو دیکھ کر وہ ہمیشہ ہی ایسے خوف و دہشت کا شکار ہو جاتی تھی کیونکہ پہلے دن سے اس نے اس کے انداز میں خونخواری و سفاکیت دیکھی تھی۔ چھوٹی ماں نے بتایا تھا وہ بدمزاج ہے غریبوں کی عزت نہیں کرتا مگر وہ شاید کسی کی بھی عزت کرنا نہیں جانتا تھا۔ کل کی ہی بات تھی اس کے کسی ریلیٹو نے کوئی وعدہ خلافی کی تھی اور جواباً اس نے اسے ایسی ایسی باتیں سنائی تھیں کہ وہ بے چارہ اب خواب میں بھی وعدہ خلافی کرنے کی جرات نہ کرے گا۔ وہ پہلے ہی اس کے رعب کا شکار تھی اور دن بدن اس کی سخت مزاج و تیوروں کی گرمی نے اسے سہا کر رکھ دیا تھا۔

''ارے بیٹی..... تم یہ کیوں کاٹنے کھڑی ہوگئیں؟ میں کاٹ لوں گا۔'' وہ کافی دے کر آئے تو اس سے مخاطب ہوئے۔

''آپ کوئی اور کام لیجیے' اچھا ہے جلدی کام ہو جائے گا پھر آپ نماز پڑھنے مسجد چلے جائیے گا۔'' وہ گاجر کاٹتے ہوئے بولی۔

''خوش رہو بیٹی، جب سے تم آئی ہو خاصی آسانی ہوگئی ہے مجھے، لیکن خدانخواستہ چھوٹے صاحب کو کسی دن معلوم ہو گیا کہ تم' اماں بی کے علاوہ گھر کے دوسرے کاموں میں بھی حصہ لیتی ہو تو.....'' وہ ایک

جھرجھری لے کر چپ ہو گئے۔

''بے فکر رہیں بابا آپ، ان کو پتا نہیں چلے گا۔ بابا..... چھوٹے صاحب کیا ہمیشہ سے ایسے ہیں؟'' وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

رمضان بابا جو چکن کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ رہے تھے اس کے سوال پر چند لمحے گم صم ہوئے پھر دکھی لہجے میں گویا ہوئے۔

''نہیں بیٹی، چھوٹے سرکار جیسا ہنس مکھ' شرارتی و شوخ چنچل کوئی نہ تھا۔ وہ اس قدر باتونی اور ملنسار تھے جس محفل میں جاتے تھے ڈھیروں دوست بنا کر آتے تھے۔ گھر میں بھی ہر وقت ان کے قہقہوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔''

''کیا آپ سچ کہہ رہیں بابا؟'' وہ سخت حیرانی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہت عجیب بات کر رہے تھے ناقابل یقین سچ۔

''بالکل سچ..... ساری بات وقت کی ہے وقت کب کس کے ساتھ کیا چال چل دے' کسی کو خبر نہیں ہوتی۔'' وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

وہ اداس ہے کوئی شخص تیرے جانے سے
ہو سکے تو لوٹ آ کسی بہانے سے
تو لاکھ خفا سہی مگر ایک بار تو دیکھ
کوئی ٹوٹ گیا ہے کس قدر تیرے جانے سے

''واؤ یار.....! کیا بیوٹی ہے' کون ہے یہ مس ورلڈ ہارون کے ہاتھ میں اس کا سیل فون تھا اور وہ اس میں گیلری چیک کر رہا تھا۔ ہاتھ لے کر نکلتے ابوبکر نے جھپٹ کر اس سے موبائل چھینتے ہوئے کہا۔

''شرم نہیں آتی بنا اجازت کسی کی پرائیوسی میں گھستے ہوئے؟''

''ہم تم تو لنگوٹیا یار ہیں' اب تم مجھ سے بھی پردہ کیا گے؟ شرم تو تم کو آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

''تم میری فیورٹ ہر چیز چھین لیتے ہو، سوری' میں تمہیں نہیں بتانے والا۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود باڈی اسپرے کرتا ہوا بولا۔

''بتا دو یار..... میں تمہاری پسندیدہ چیزیں ہضم کرنے کا عادی ہوں مگر یہ لڑکی ہے کوئی فروٹ یا چاکلیٹ نہیں ہے جو میں ہڑپ کر جاؤں۔''

''تم اتنے بے قرار کیوں ہو رہے ہو' وہ جو بھی ہے میری ہے۔''

''میں نے کب کہا میری ہے؟ مگر جو بھی ہے بہت خوب ہے۔''

''ہو گئے ناں لٹو' یہ تمہاری پرانی عادت ہے جہاں کوئی اچھا مکھڑا دیکھا اور تم اسی طرح لٹو ہو جاتے ہو لیکن اس سے نگاہ اٹھالو وہ ادینہ ہے مائی لو یعنی تیری ہونے والی بھابی۔'' وہ خاصا مسرور لگ رہا تھا۔

''جانتا ہوں میری ہونے والی بھابی ہے مگر جلدی سے بتا' بھابی کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے؟'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اونہوں..... وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔''

''اکلوتی..... او مائی گاڈ' تو ظلم ہے میرے ساتھ۔''

''افسوس غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گے۔''

''دیکھ میرا مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں' ایک اتنا لمبا ہاتھ مار لیا پھر میرا دل بھی جلا رہا ہے۔ یہ دوستی تو نہ ہوئی ناں۔''

''اب تجھے جو سمجھنا ہے سمجھ، میں جا رہا ہوں ادینہ سے ملنے،'' اس نے تیار ہو کر ٹیبل سے چابیاں اٹھائیں۔

''ہوں..... ٹھیک ہے۔' وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

☆.....☆.....☆

''کیا بات ہے خاصی پریشان و فکر مند لگ رہی ہو' کیا ہوا ادینہ؟'' لہریں ان کے قدموں کو بھگوتی آگے بڑھ رہی تھیں، دھوپ کا سنہری عکس اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہا تھا۔

''یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔''

''کیا مطلب..... میں پریشان نہیں ہوں، تم بتاؤ خیریت ہے؟''

''نہیں پہلے تم بتاؤ کیا بات ہے' کیوں چھپا رہے ہو مجھ سے؟ میں اس لائق نہیں ہوں یا اپنی پرابلمز شیئر کرنا نہیں چاہتے؟'' وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جہاں کوئی طوفان چھپا ہوا تھا اس کی آنکھوں کی وحشت مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

''اوہ..... تم نے کیسے فیل کیا کہ میں پریشان ہوں؟'' اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا وہ دھیمے سے مسکرا کر بولی۔

''جس طرح تم نے محسوس کیا کہ میں پریشان ہوں۔''

''پھر بتاؤ ناں تم اتنی اپ سیٹ کیوں لگ رہی ہو؟'' وہ ساحل پر ایک ٹوٹی چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔

''ابوبکر..... مما کو بہت پہلے شک ہو گیا تھا کہ میری زندگی میں کوئی مرد داخل ہو چکا ہے وہ بہانوں سے مجھ سے پوچھنے کی سعی کرتی رہی ہیں اور میں ان سے اس لیے چھپاتی رہی کہ میں جانتی تھی وہ مجھے تم سے ملنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ آج بھی بڑی مشکل سے مجھے اجازت ملی ہے اور کچھ پرپوزلز کی چھان بین پپا کر رہے ہیں۔''

''اچھا یہ بات ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

''ہماری راہوں میں سماج دیواریں کھڑی کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''کیا..... کیا تمہارے گھر والے بھی تمہارے لیے لڑکی تلاش کر رہے ہیں؟ میں سوچ کر آئی تھی تم سے کہوں گی اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیجو تا کہ ماما اور پپا اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے مگر.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑی اور چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''اوہو..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ممانی جان نے ایسے ہی اپنی بہن کی بات چھیڑ دی تھی اور میں نے منع کر دیا اور ساتھ ہی نانی جان کو بھی تمہارے متعلق بتا دیا کہ تم کو پسند کرتا ہوں اور شادی بھی تم سے ہی کروں گا۔'' اس کے انکار کو لے کر آج کل گھر میں کتنی ٹینشن پھیلی ہوئی ہے یہ سب وہ اس سے چھپا گیا تھا۔

''تم نے ان سے بات کی، وہ راضی ہیں ہمارے رشتے پر؟'' وہ رونا بھول کر بھیگے چہرے کے ساتھ پراشتیاق لہجے میں گویا ہوئی۔

''توبہ..... کتنی بے شرم لڑکی ہو۔'' اس کی رگ شرارت پھڑکی اور ادینہ کو بھی اپنی بے تکلفی کا احساس ہوا تو وہ بلش ہو کر رہ گئی۔

''اب میں بات نہیں کروں گی تم سے۔''

''ٹھیک ہے پھر میں تمہیں بیٹھا دیکھتا رہوں گا اعتراض نہ کرنا۔'' اس نے کہا اور ٹکٹکی باندھ کر اس کے چہرے کو محبت سے دیکھنے لگا۔ وہ بھی کچھ دیر تک اس کی طرف نہ دیکھتے ہوئے منہ پھلا کر بیٹھی رہی۔ مگر کب تک وہ اس کی ضوفشاں نگاہوں کی حدت برداشت کرتی مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھی، وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا پھر رات تک وہ مستقبل کے سہانے سپنے بنتے رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

رمضان بابا کی زبانی اس پر اس حقیقت کا ادراک ہوا تھا کہ ابوبکر اور اماں بی کا تعلق اس بنگلے سے تھا جہاں وہ چھوٹی ماں کے ساتھ دو تین بار سلائی کے کپڑے دینے گئی تھی اور جب آخری بار وہ گئی تھی۔ رخشی، رابیکا اور ثمیرہ نے بتایا تھا ان کی انیکسی میں بھیڑیا رہتا ہے۔ جو عورتوں کا شکاری ہے۔ وہ بھول کر بھی اس طرف نہ جائے اور شومئی قسمت وہ لائٹ جانے اور راستوں سے واقف نہ ہونے کے سبب انیکسی کے لان میں چلی گئی تھی اور

تب ہی برگد کے درخت کے پیچھے سے اس نے دہکتی ہوئی شعلوں کی طرح آنکھوں والے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ لمحوں کی بات تھی۔ قسمت نے یادری کی تھی وہ شیر کی کچھار میں جا کر بھی سلامت آئی تھی اور چند دنوں میں اس کا چہرہ اس طرح بھول گئی کہ یہاں دیکھنے کے بعد بھی اس کو یاد نہ آیا کہ وہ کتنا خطرناک شخص ہے اور اس سے بچنے کی تلقین بہت شدت سے کی گئی تھی اور وقت نے دوسری بار بڑی بے دردی سے اسے اسی کی جاگیر میں قید کر ڈالا تھا۔ جب تک آنکھیں اندھیرے میں ڈوبی رہتی تھی تو سانپ کو بھی رسی سمجھ کر دل کو ڈھارس رہتی ہے اور جب آنکھیں روشنی سے مانوس ہو جائیں تو رسی پر بھی سانپ کا گمان ہوتا ہے اور اس کو بھی حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا' اس کی ساری رات کروٹیں بدلتے گزری تھی۔

دل وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا ہر آہٹ اسے خوف زدہ کر رہی تھی۔ رات اس نے یہاں سے ہر حال میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور یہ سوچ کر کچھ مطمئن ہو گئی تھی کہ چھوٹی ماں کل صبح آنے والی تھی' رات بھاری گزری تھی اور شریفہ کو بھی ہرے و نیلے نوٹوں کی کشش نے رات بھر جگایا تھا گویا رات کی صبح بڑی مشکل سے ہوئی تھی۔ اماں بی عادتاً اس سے خلوص سے ملی تھیں اور بہترین ناشتے سے اس کی تواضع کی گئی تھی۔ کرارے نئے نوٹوں کی گڈی انہوں نے اس کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے اسے جنت سے ملنے کا کہا تھا۔ ویسے تو جنت سے اس کی ملاقات آتے ہی ہوئی تھی' وہ اس کے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگی تھی اور اس وقت اماں بی کی نگاہیں وہ اپنے اوپر شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ اتنے ماہ کی دوری بھی اس کا دل موم نہ کر سکی تھی' رونا کیسے آتا مگر اماں بی کی کھوجتی نگاہوں کو کچھ تو دکھانا ہی تھا سو بڑی مشکل سے دو قطرے آنسو کھینچ کھینچ کر آنکھوں میں لائی اور خوب زور زور سے آنکھیں شال کے پلو سے رگڑ رگڑ کر لال کر لیں تھیں۔ اب پتا نہیں وہ متاثر ہوئی تھیں کہ نہیں؟ مگر ان دونوں کی تنہائی میں ملنے کا موقع دیا تھا وہ ان کے حکم پر اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

''آ..... ہا..... تو تو بھئی بڑی شہزادیوں کی طرح رہ رہی ہے۔ بڑا خوب صورت کمرہ ہے تیرا' بڑے ٹھاٹ ہیں۔ تیرے۔ ایسا کمرہ میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا اور تو اس میں رہ رہی ہے۔'' شریفہ نے آتے ہی کمرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے رشک آمیز لہجے میں کہا۔

''چھوٹی ماں..... مجھے یہاں سے لے جاؤ' میں یہاں کام نہیں کروں گی۔''

''کیا..... کیا کہہ رہی ہے' دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا' پاگل ہو گئی ہے کیا؟ ایسے محل جیسے گھر میں شہزادی بن کر رہ رہی ہے۔ یہ کمرہ ہی دیکھ' کبھی خواب میں بھی سوچا تو نے ایسی جگہ پر رہنے کا اور اس بڑھیا کو دیکھا ہے تو نے کتنا پیار کرنے لگی ہے تجھ سے' جب وہ تیری طرف دیکھتی ہے کیسا محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اسکی آنکھوں میں اور تو..... سدا کی ناشکری ابھی بھی یہاں سے جانے کی باتیں کر رہی ہے؟'' اس نے جنت کی بات کاٹ کر آہستگی سے غراتے ہوئے کہا۔

''وہ سب ٹھیک ہے چھوٹی ماں' مگر..... مگر یہاں میری عزت محفوظ نہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کراچی میں رابیکا اور رخشی کی زبانی سننے والی گفتگو اس کو سناتے ہوئے کہا وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''تین مہینے ہو گئے ہیں تجھے یہاں رہتے ہوئے اور اتنے دنوں میں تو نے اس کھڑوس میں کوئی ایسی ویسی بات دیکھی ہے..... اس نے کبھی ہاتھ پکڑا ہے تیرا؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں' ایسا کبھی نہیں ہوا.....'' بہت سوچنے کے بعد بھی کچھ یاد نہ آیا۔

''اچھی طرح سے یاد کر۔''

''نہیں' کبھی بھی ایسا نہیں ہوا مگر پھر بھی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ارے اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے جنت' وہ کھڑوس بہت پیسے والا ہے۔ میں کہتی ہوں اس سے ڈرنے کے بجائے اس پر ڈورے ڈالنے کی سعی کر' اپنے بس میں کرا سے تو بڑی موہنی صورت والی ہے اور مرد کتنے ہی کٹھور کیوں نہ ہوں۔ خوب صورت لڑکیوں کے آگے موم ہو جاتے ہیں۔''

''چھوٹی ماں.....! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' وہ سخت متحیر ہوئی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میری بچی، جس طرح سے بھی تو اس کو اپنی مٹھی میں کر' جو وہ کہے مانتی چلی جا۔ قسم سے پیسہ پانی کی طرح سے برسے گا' ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے دیکھ لینا۔'' وہ کسی اور ہی ڈگر پر چل پڑی تھی۔ جنت کی آنکھوں سے بہتی برکھا میں مزید روانی آ گئی تھی۔ اس عورت نے اسے ملازمہ بنا دیا تھا اور اب کیا بنانا چاہ رہی تھی۔ وہ جس دیوار کو سہارا سمجھتے بیٹھی تھی وہ ہی اس پر گر رہی تھی اور اس کا وجود بتا جا رہا تھا۔

''بہروز کا مالک ہوٹل بیچ کر چلا گیا ہے وہ بے روزگار گھوم رہا ہے اور صدف اس کی حالت بہت بری ہے دن بدن خون کی کمی اس میں بڑھتی جا رہی ہے۔ زچگی کے دن قریب آتے جا رہے ہیں اور ایسے میں بہروز کا کام بھی چھوٹ گیا ہے اور نئی مصیبت یہ پڑی ہے کہ تمہارے ابا کا کام بھی چھوٹ گیا ہے اور سچ تو یہ ہے تمہارے ابا کی اب ہمت بھی نہیں ہے۔'' اس کے گھائل اور احساسات سے بے خبر اپنے ہی راگ الاپ رہی تھی۔

''بس..... تو آنکھیں بند کر کے میری باتوں پر عمل کر' پیسہ ہر دکھ' ہر عیب کو چھپا دیتا ہے۔ کوئی فکر کرنے کی بات نہیں ہے کوئی اونچ نیچ ہو جائے میں تیرے ساتھ ہوں۔'' وہ دھندلائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تو نے ثابت کر دیا ہے سوتیلے بھی سگے بن جاتے ہیں اب تیری محنت سے ہی گھر چل رہا ہے ہمارے بڑھاپے کا سہارا تو ہی ہے جنت۔''

شریفہ اسے مردوں کو قابو کرنے کے کئی گُر بتا کر سمجھا کر گئی اور جاتے جاتے بھی بار بار اس کی یہی تاکید تھی وہ فوراً اس کھڑوس کو قابو میں کرے..... وہ لق و دق صحرا میں تنہا کھڑی تھی' نہ کوئی ہمنوا تھا نہ ہمراز..... اگر تھا تو آنسو آہیں ہی اس کی ہمراز تھیں۔

''جنت..... جنت.....!'' رمضان بابا دروازہ ناک کرتے اندر آئے اور اسے کارپٹ پر بیٹھے زاروقطار روتے دیکھ کر الٹے قدموں واپس ہو گئے اور چند لمحے بعد لاٹھی کا سہارا لیے اماں بھی ان کے ہمراہ آئی تھیں۔

''ارے بیٹی کیا ہوا' کیوں اتنا رو رہی ہو؟'' وہ بھی اس کو شدومد سے روتا دیکھ کر سخت پریشان ہو گئی تھیں۔

''ارے بتاؤ تو سہی کیا ہوا' کسی تکلیف میں مبتلا ہو؟'' وہ رمضان بابا کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر اسے پلاتے ہوئے بولیں۔ وہ کچھ نہیں بولی، پانی پی کر دل کو قرار سا ملا تھا' یا یہ ان کے شفقت بھرے قرب کی تاثیر تھی' آنسو تھمنے لگے تھے۔

''رمضان..... چائے بنا کر لاؤ' دیکھو تو سہی کیا حالت بنالی ہے اس نے اپنی رو رو کر نا معلوم ایسا کیا ہوا؟'' وہ ٹشو سے اس کا چہرہ صاف کرتی ہوئی گویا ہوئیں' وہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

''یقیناً تمہاری ماں آئی تھی' وہ کوئی فتنہ پھیلا کر گئی ہوگی۔ کیا کہہ کر گئی ہے ذرا مجھے بھی بتاؤ۔''

''کچھ نہیں اماں بی' آپ دعا کریں' میں مر جاؤں موت آجائے مجھے۔'' وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔

''ارے موت آئے تمہارے دشمنوں کو' مریں وہ لوگ جو تمہیں دکھ دینے کا باعث بنتے ہیں میری بچی' تم کیوں کسی کی خاطر موت کی آرزو کرنے لگی ہو۔ ابھی میں زندہ ہوں' تمہیں چاہنے والی' میری محبت ایک طرف اور ساری دنیا کی محبت ایک طرف' تمہارے روپ میں مجھے ایک بیٹی مل گئی ہے۔'' انہوں نے پورے خلوص سے اس کے آنسو صاف کیے' گلے سے لگایا مگر اس کے اندر جو آگ لگی تھی وہ کسی پل بجھ کر نہ دے رہی تھی۔ ساری زندگی وہ ان کی خدمت کرتی چلی آئی تھی' اپنا چین وآرام، سکھ وخوشیاں ان سوتیلے رشتوں پر وارتی چلی آئی تھی صرف اس امید پر آج نہیں تو کل وہ ان کے دل میں اپنی جگہ بنالے گی۔ ایک نہ ایک دن وہ اس کو اپنا سمجھنے لگیں گے مگر سب لاحاصل رہا اور ثابت ہو گیا کانٹوں کے بطن سے کبھی بھی پھول جنم نہیں لیا کرتے۔ کانٹوں سے کانٹے ہی وجود پایا کرتے ہیں۔

''نہیں بتانا چاہ رہی ہو' کوئی بات نہیں' نہیں بتاؤ۔ ضرور ایسی کوئی بات ہوگی جو بتانے والی نہیں ہوگی' بس آئندہ تم بالکل بھی خود کو تنہا نہیں سمجھنا' جو بھی کہنا ہے مجھ سے کہو۔'' وہ خاصی دیر تک بیٹھیں اس کی دلجوئی کرتی رہی نا معلوم ان کو اس سے انسیت ہو گئی تھی یا وہ ان کی ضرورت بن گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ لوگ سوچ رہے تھے اماں بی اور ابو بکر کے جانے کے بعد سکون سے رہ سکیں گے لیکن یہ خوش گمانی

بہت بڑی خام خیالی ثابت ہوئی تھی۔ اماں بی ایک ایسے درخت کی مانند تھیں جس کی گھنی چھاؤں نے انہیں باہر کے گرم وسرد سے محفوظ رکھا ہوا تھا اور اس آشیانے کے ہٹتے ہی وہ لوگ کڑی دھوپ میں آگئے تھے۔ نا معلوم وہ اماں بی کے وجود کی برکت تھی یا ان کی عبادتوں کا ثمر۔ ابو بکر کے علاوہ ان لوگوں نے آپس میں کبھی بھی ایک دوسرے پر انگلی نہیں اٹھائی تھی اور اب ان کی غیر موجودگی میں ان لوگوں میں ذاتی اختلافات جنم لینے لگے تھے۔ رباب کی لمبی زبان کے آگے نفیسہ بیگم کی کم گوئی بھی دراز ہونے لگی تھی۔ عورتوں کی عداوتیں مردوں کے کانوں سے دلوں تک پہنچنے لگی تھیں۔ وردہ نے بھی رباب کے پاس ہی ڈیرے ڈال لیے تھے۔ اس کے ساتھ جو حادثہ گزرا تھا اس حادثے نے سب کی ہمدردیاں اس کی جانب مبذول کر دی تھیں۔ اسے بہت زیادہ اہمیت ملنے لگی تھی اور اس وی آئی پی پروٹوکول نے اس کو اس قدر اعتماد دیا تھا کہ وہ بے دھڑک گھر کے ہر معاملات میں بھی بولنے لگی تھی۔ پہلے تو کسی کو بھی اسکا بولنا برا نہ لگتا تھا مگر اب ان بگڑتے تعلقات کو ہوا دینے میں اس کا زیادہ عمل دخل تھا خصوصاً اسکی چپقلش ادینہ سے چلتی تھی۔

شروع شروع میں ادینہ اس کی فضول باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیتی تھی لیکن کب تک وہ اس کی آگ لگاتی باتوں کو نظر انداز کر سکتی تھی۔ اسکے الٹے سیدھے سوالات برداشت کر سکتی تھی۔ نوبت اس حد تک آگئی تھی کہ ہارون اس کی باتوں میں آکر اس پر بے اعتبار ہونے لگا تھا۔

''کہاں کھوئی کھوئی رہتی ہو؟'' وہ ذرا خاموش ہوتی تو وہ استفسار کرتا۔

''میں کہاں کھوؤں گی؟ یہیں موجود ہوں۔'' وہ چونک کر کہتی۔

''بہت نوٹ کر رہا ہوں میں ابو بکر کے جانے کے بعد سے تم گم صم رہنے لگی ہو۔''

''وہاٹ..... کیا کہا آپ نے؟''

''وہی جو تم نے سنا' اپنے پریمی کو بے حد مس کر رہی ہو نا؟''

''ہارون..... دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا؟'' وہ حیرت سے چیخ اٹھی۔ ''آپ کو معلوم بھی ہے کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''چیخو مت' چوری اور سینہ زوری۔'' وہ اس سے زیادہ چیخا۔

''کیا چوری کی ہے میں نے؟'' ہر وقت کی بک بک سے وہ عاجز آگئی تھی۔

''میرا اعتماد' میرا اعتبار، میری محبت.....'' وہ جنونی ہونے لگا۔

''ٹھیک کہتی ہے وردہ! تم نے مجھ سے محبت کی نہیں ہے اور نہ ہی کرو گی۔ تم کل بھی ابو بکر کی تھیں آج بھی اور ہمیشہ رہو گی۔''

''وردہ..... وردہ..... وردہ..... لڑکی ہے یا بدروح' جب سے یہاں آئی ہے ہماری زندگی پر اس کا

آسیب ہوگیا ہے۔ ہر وقت کرب' اذیت اور مشکل میں زندگی پھنس گئی ہے اور ایک آپ ہیں اس کی ہر بات پر اس طرح یقین کرتے ہیں گویا ساری دنیا کی سچی ایک وہی لڑکی ہے۔''

''ہاں ہاں وہ سچی ہے اس کی سچائی تمہارے منہ سے بیان ہو رہی ہے۔ کس طرح چوری پکڑے جانے پر ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی ہو۔''

''ہارون...... کچھ خدا کا خوف کریں' خدا کے لیے مجھ پر ایسے گھٹیا الزام لگاتے آپ کو ذرا شرم نہیں آ رہی ہے' بیوی ہوں میں آپ کی۔''

''مجھے شرم کیوں آئے گی' شرم تو تم کو آنی چاہیے۔ میری بیوی ہو کر مجھے دھوکہ دے رہی ہو اور شرم کا تقاضہ بھی مجھ سے کر رہی ہو واہ۔'' ان کے لڑنے کی آوازیں نفیسہ تک بھی پہنچ گئی تھیں وہ وہاں آ کر غصے سے ان دونوں کی طرف گھورتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''اب کیا ہوگیا ہے؟ کس بات پر شور کر رہے ہیں۔ گھر میں پہلے ہی رات دن تماشے کم ہو رہے ہیں جو تم بھی شروع ہوگئے ہو۔''

''مما...... میں نے اس لڑکی سے شادی کر کے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے' اپنی زندگی کی خود جہنم بنائی ہے میں نے۔''

''آج احساس ہوا ہے تمہیں؟'' لہجہ بھرپور طنزیہ تھا۔ ''میں تو پہلے دن سے کہہ رہی تھی' مت چاٹو کسی کا تھوکا مگر تم نے میری ایک نہ سنی اور آج پچھتا رہے ہو۔'' وہ سفاکی سے کہہ رہی تھی۔

''عورت اور جوتی میں کوئی فرق نہیں ہے میری نظر میں' پاؤں میں دبی جوتی اگر کاٹنے لگے تو اسے بدل لیا جاتا ہے۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔

''اور مت بھولیں جب یہی جوتی سر پر پڑتی ہے تو دماغ روشن بھی ہو جاتا ہے۔'' ادینہ بھی بلاخوف و خطر طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''خاموش ہو جاؤ سب۔'' ان کی تیز آوازیں خالد صاحب کو بھی وہاں کھینچ لائی تھیں۔

''سنا آپ نے کتنی لمبی زبان ہے اس لڑکی کی؟ کیسے پٹر پٹر چل رہی ہے نہ شوہر کا خیال نہ ساس کا لحاظ اور ذرا دیر میں اس نے اپنی ذات دکھا دی۔'' وہ اسے گھورتی ہوئی گویا ہوئیں جس کا ضبط سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری برسنے کو تیار تھیں۔

''بہو نے اپنی ذات دکھائی ہے تو تعارف آپ نے بھی اپنا کروا دیا ہے۔ کیا ضروری ہوتا ہے آپس کے اختلاف سب کو سنانا' ساتھ بیٹھ کر بھی معاملہ حل ہو سکتا ہے ایک دوسرے کو قائل بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''آپ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں نہ سوچتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔'' خالد صاحب نے ایک نہ سنی وہ

ادینہ کو سمجھانے کے بعد بیوی اور بیٹے کو سمجھانے لگے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر ٹیرس پر آ گئی تھی اور وہیں کرسی پر بیٹھ کر گزرے ماضی کے تانے بانے بننے لگی۔

☆......☆......☆

وہ ایگزامز سے فارغ ہوئی تو شما ایک ماہ کے اندر اندر شادی کے بندھن میں بندھ کر کینیڈا چلی گئی تھی۔ گھر والوں کو اس کی فکر لگی تھی کئی رشتے تھے مگر خوش قسمتی سے ان میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی تھی اور وہ وقتی طور پر سکھ کا سانس لیتی تھی کہ ابوبکر کے سوا کسی دوسرے مرد کا تصور بھی محال تھا اور ابوبکر بھی اس کے حالات سے پوری طرح باخبر تھا روز فون پر اسے بے فکر رہنے کی تلقین کیا کرتا تھا۔ انہیں ملاقات کیے بھی خاصے دن ہو گئے تھے نامعلوم وہ کن کاموں میں الجھا ہوا تھا۔ فون پر بھی وہ بہت مختصر بات کرتا تھا اور یہ ہفتہ پورا گزر گیا تھا اس کا ایک فون تک نہ آیا تھا وہ بری طرح سے پریشان ہوگئی تھی' عجیب وسوسے آ رہے تھے کبھی اس کی صحت کی طرف سے' وہ پریشان ہونے لگتی کبھی اس کی صحت کی طرف سے' وہ پریشان ہونے لگتی کبھی یہ خیال آ جاتا کہ ابوبکر کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔ کہیں پکی نہ ہوگئی ہو؟ ایسا بھی ہو سکتا ہے ماموں یا نانی نے جذباتی دباؤ ڈال کر اس کی شادی نہ کر دی ہو۔ **یہ خیال کس تیز دھار آلے کی مانند جسم ہی نہیں روح کو بھی گھائل کر رہا تھا۔ اس کا سیل فون مسلسل آف جا رہا تھا معاً اس کے ذہن میں ابوبکر کے کزن کا نام ابھرا تھا۔ کچھ عرصے قبل ہی ابوبکر نے اپنے اس کزن سے ملوایا تھا اور پہلی ہی ملاقات میں وہ ہارون کی اعلیٰ شخصیت' خلوص و مروت کی قائل ہوگئی تھی اور اس کے سیل فون میں اپنا نمبر سیو کرتے ہوئے اس نے شوخی سے کہا تھا۔**

'یہ کانٹیکٹ نمبر ہے میرا' آپ کو جب بھی اس بندے سے کوئی جاسوسی کروانی ہو تو پلیز مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔'' اس وقت اس کی بات مذاق میں اڑا دی گئی تھی۔ وہ نمبر ابھی بھی موبائل میں سیوڈ تھا اور واقعی آج ابوبکر کی جاسوسی کروانے کا دن آ چکا تھا' ماما' پپا کسی عزیز کی عیادت کرنے گئے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ہارون سے رابطہ کیا تھا۔

''زہے نصیب...... آخر کار آپ کو ہماری یاد آ گئی۔'' دوسری بیل پر کال ریسیو کی گئی اور شوخی سے جملہ کہا گیا تھا۔

''ہارون بھائی...... آئی ایم ادینہ کالنگ۔'' وہ نروس ہو رہی تھی۔

''جی بولیے آپ کا نمبر میرے پاس سیو ہے۔''

''ابوبکر کہاں ہے...... وہ خیریت سے تو ہے؟'' کوشش کے باوجود اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکی کہ دل کی حالت بہت بری تھی۔ دوسری طرف ہارون نے پٹیوں میں جکڑے دواؤں کے زیر اثر بے سدھ پڑے سوتے ہوئے ابوبکر کو دیکھا اور موبائل اٹھائے باہر آ گیا تھا۔

''بتایئے نا ہارون بھائی..... ابوبکر کہاں ہے؟'' اس نے ایک ہفتہ سے مجھ سے رابطہ نہیں کیا اور اس کا سیل بھی آف جارہا ہے۔''

''کیا آپ کو نہیں معلوم؟''

''کیا..... کیا ہوا..... ابوبکر ٹھیک تو ہے نا؟''

''جی..... جی وہ بالکل خیریت سے ہے اور یہاں نہیں ہے۔ بزنس ٹور پر گیا ہوا ہے' آپکو بتا کر نہیں گیا وہ؟''

''کب گیا ہے اور کہاں گیا؟'' وہ بے یقینی کا شکار ہوئی۔

''سنڈے کو گیا ہے اور نہ معلوم کہاں کہاں جائے گا وہ۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ مجھے بتائے بغیر چلا جائے۔''

''ادینہ بی بی..... اس دور میں سب کچھ پاسبل ہے' اچھا اچھا آپ روئیں نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے ملنے آئیں؟'' اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا۔

دوسری طرف اس کی روہانسی سنجیدہ آواز میں اقرار تھا۔ ہارون نے مسکراتے ہوئے اسے ٹائم اور جگہ کا نام بتادیا تھا' اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ خاصی دیر تک اسکرین پر نظر آتے ادینہ کے نام کو گھورتا رہا پھر روم کی طرف بڑھ گیا۔

''تھینکس گاڈ! ہوش آگیا تمہیں۔'' اسے آنکھیں کھولے دیکھ کر وہ محبت سے اس کی طرف بڑھا اور ہاتھ تھام کر گویا ہوا۔

''کیسا فیل کررہے ہو..... یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہوا یار؟''

''وہ ایک ڈمپر تھا جو گاڑی کو ہٹ کر کے چلا گیا اور گاڑی دور تک لڑھکتی گئی تھی۔ زندگی تھی میری جو ڈرائیونگ ڈور کھلنے سے باہر جا گرا اور مجھے پھر کوئی ہوش نہ رہا تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بتا رہا تھا۔

''پورے آٹھ دن بعد پوری طرح سے ہوش میں آئے ہو تم' کوئی فریکچر نہیں ہوا ہے تمہارا' کسی کی دعاؤں سے ہڈیاں سلامت ہیں تمہاری' البتہ سر میں شدید چوٹ آئی ہے اس لیے ڈاکٹرز نے تمہیں زیادہ تر غنودگی میں ہی رکھا ان کا کہنا تھا کہ زخم خشک ہوگا تو تم خود بخود ہوش میں آجاؤ گے۔''

''نانی جان کیسی ہیں..... تم نے ان کو میرے متعلق خبر تو نہیں دی؟'' اس کے ہاتھ پاؤں اور سینے پر پٹیاں تھیں، پیشانی بھی پٹی میں جکڑی تھی۔

''دادی جان' پاپا اور انکل کے ہمراہ رخسار کے سسرال پنڈی گئی ہوئی ہیں اور وہیں سے وہ کچھ عزیز و اقارب سے ملنے اسلام آباد بھی جائیں گی۔ واپسی میں ان کو دو سے تین ہفتے لگیں گے' اب تم فون پر ان سے

کانٹیکٹ رکھنا ان کے گھر آنے تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے ویسے میں نے گھر میں کسی کو بھی اس حادثے کے بارے میں نہیں بتایا یہی کہا ہے تم بزنس ٹور پر ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔''

''یہ بہت اچھا کیا تم نے ہارون' میں نہیں چاہتا کوئی میری وجہ سے پریشان ہو۔ میرا سیل فون بھی ایکسیڈنٹ میں کہیں گر گیا ہے' ادینہ سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا وہ بہت پریشان ہو رہی ہوگی۔ تم اپنا سیل فون دو مجھے میں اس سے بات کر کے دیتا ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''وہ..... سیل فون..... میں گھر بھول آیا ہوں۔'' وہ بُری طرح گھبرایا۔

''اچھا' رات میں آؤ گے پھر لیتے آنا۔'' وہ شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کی بوکھلاہٹ پر توجہ نہ دے سکا اور چند لمحوں بعد پھر غافل ہوگیا تھا۔ ہارون نے اس کی غفلت پر سکون کا سانس لیا کہ عام حالت میں وہ اس کی چوری و جھوٹ آسانی سے پکڑ لیتا' ڈاکٹرز چیک اپ کے لیے آئے تھے انہوں نے اس کی کنڈیشن پہلے سے تسلی بخش بتائی تھی۔ وہ ہسپتال سے گھر آیا تو رہاب کو اس نے ابوبکر کے ایکسیڈنٹ کا بتایا تھا جس پر وہ منہ بنا کر بولی۔

''بڑا ڈھیٹ لڑکا ہے مرا نہیں زندہ بچ گیا۔'' چند گھنٹے بعد وہ نک سک سے تیار ہو کر مسکین سی صورت بنائے ادینہ کے ساتھ ایک پارک میں بیٹھا تھا وہ بھی لیمن اور وائٹ پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس پریشان سی اس سے فاصلے پر بیٹھی تھی۔

''بتایئے کیا بات ہے؟ آپ کا لہجہ کہہ رہا تھا کوئی خاص بات ہے اسی لیے میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔ سچ سچ بتائیں وہ مجھ سے ملے بغیر کیوں چلا گیا؟ ایک کال بھی نہیں کی اس نے جانے سے قبل۔'' ہارون نے اس کی طرف دیکھا شاید وہ یہاں آنے سے پہلے روتی رہی تھی اس کی خوب صورت آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ سادگی میں بھی اس کا حزن آمیز حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اس کے دل میں اس کو پانے کی چاہ کسی ضدی بچے کی مانند مچلنے لگی۔

''آپ کا کیا خیال ہے وہ بنا آپ کو بتائے کیوں گیا؟ کیا آپ کو پتا ہے آج کل ممانی کی سسٹر وردہ سے اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے؟''

''جی ہاں مجھے معلوم ہے کیا ان کا میٹر فکس ہوگیا؟'' وہ ہمیشہ کی طرح جلد باز لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''اگر میں کہہ دوں ''ہاں'' تو آپ کو میری بات پر یقین آجائے گا؟'' اس کی آنکھوں میں چھپی بے اعتباری و لہجے سے عیاں ہوتا عدم اعتماد ہارون کے حوصلے بلند کرنے لگا اور وہ پھر ابوبکر اور اسکے درمیان فاصلے پیدا کرتا چلا گیا۔

وہ بچپن سے اس کی چیزیں ہڑپ کرتا آیا تھا مانگ کر یا چوری کر کے جس طرح سے بھی موقع ملتا وہ

فائدہ اٹھالیا کرتا تھا اب بھی تقدیر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اعتبار بھی کمال ہوتا ہے اور بے اعتباری بھی غضب کی ہوتی ہے۔ یہ اعتبار اور بے اعتباری کے اتار چڑھاؤ کا رشتہ ہے' یہاں ایک فریق کی بے اعتمادی محبت کی کشتی کو غرق کر دیتی ہے۔ ادینہ سدا کی بے صبری، جلد باز اور کسی پر بھی اعتماد نہ کرنے والی لڑکی تھی۔ ابوبکر سے بار بار ملنے کے باوجود اس پر اعتبار نہ کر سکی تھی اور اسکی بے اعتباری ہارون کی خواہش کو حقیقت کا روپ دینے لگی تھی وہ اسے پانے کے لیے ابو بکر کے خلاف اسے ورغلاتا رہا اور وہ اس کی باتوں کی مانتی چلی گئی ہارون باتوں سے دل میں اترنے کا ہنر جانتا تھا۔ پہلی ملاقات میں وہ اسے ابوبکر سے کانٹیکٹ کرنے سے منع کر چکا تھا اور یہی ادیبہ کی بھول ان کے راستے جدا کرنے کا باعث بنی تھی۔

☆.....☆.....☆

شام تک بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ اماں بی کو میڈیسن دے کر آئی تھی پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاصی دیر تک نیند آنکھوں سے اچاٹ رہی تھی۔ دھیان گھر کی طرف جا رہا تھا یہاں ملازمت کرتے ہوئے اسے چار ماہ گزر گئے تھے اور اس دوران ابا کو اس کی ایک بار بھی یاد نہ آئی تھی اور اس کا دل تھا کہ رہ رہ کر ان سب بے وفاؤں کو یاد کر رہا تھا یہاں تک کہ خالہ بننے کی خوشی وہ اپنے اندر ابھی سے محسوس کر رہی تھی۔

اس کی فطرت گلاب جیسی تھی جو ان ہاتھوں میں بھی خوشبو چھوڑ جاتے ہیں جو ان کو مسل کر پھینک دیتے ہیں جو دینے کا اعلیٰ ظرف رکھتے ہیں پھر وہ دیتے ہی رہتے ہیں خواہ وہ دعا' خدمت یا محبت جو بھی ہو نامعلوم رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ عجیب سی آواز سے کھلی تھی۔ پہلے غنودگی کی حالت میں پڑی رہی تھی پھر اس کا ذہن بیدار ہوا تو برق رفتاری سے اٹھ کر بیٹھی تھی، دروازے پر زوردار دستک ہو رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ابو بکر کھڑا تھا۔ سرخ انگارہ آنکھیں اسے اپنے وجود میں گڑتی ہوئی محسوس ہوئیں اس نے گھبرا کر دروازہ بند کرنا چاہا تھا' تب ہی اس نے درمیان میں پاؤں رکھ کر بند ہوتے دروازے کو دھکا دیا تھا۔ وہ جو پہلے ہی بُری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی دروازے کا دھکا لگنے سے بے توازن ہو کر گری تھی۔ باہر موسم ہی ایسا تھا گھن گرج کے ساتھ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی' کھڑکیاں دروازے سب بند ہونے کے بعد بھی گرج و چمک' بارش کی بلند آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے موسم میں آدھی رات کو اس کا آنا اور وہ بھی اس انداز میں اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں یعنی وہ وقت آ گیا تھا جس سے بچنے کی اس کو تلقین کی گئی تھی۔ وقت بھی ایسا تھا کہ مدد کو کوئی نہیں آ سکتا تھا' رمضان بابا کا کمرہ اوپر تھرڈ فلور پر تھا اور اماں بی کا کمرہ قریب ہی تھا مگر وہ میڈیسن کھا کر گہری نیند سونے کی عادی تھیں۔ دوسرے ملازم شام میں چلے جاتے تھے' دو چوکیدار تھے جو گیٹ پر پہرہ دیا کرتے تھے۔

''آ.....آپ..... چلے جائیں یہاں سے۔''

''وہاٹ..... دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟'' وہ اس کی سراسیمگی و خوفزدگی پر خاصا حیران سا ہو کر سرد مہری سے بولا۔

''آپ.....آپ کا اس ٹائم آنے کا مقصد؟ میں یہاں مجبوری میں جاب کر رہی ہوں' آپ کا شکار بننے نہیں آئی۔

''شکار.....کیا بکواس کر رہی ہو تم' ہوش میں نہیں ہو کیا؟'' وہ تعجب سے کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں' اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

''میں آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں' رخسار آپی نے سب بتا رکھا ہے مجھے۔''

''اوہ.....'' اس نے ایک گہری سانس لی وجیہہ چہرے پر دھواں سا بکھر گیا آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی' ہونٹ بھینچ گئے تھے۔

''آپ جاتے ہیں یا.....''

''شٹ اپ.....'' اسکے ہونٹوں سے شعلے برآمد ہوئے تھے۔'' خود کو کیا سمجھتی ہو' ملکہ حسن ہو تم؟ میں تمہیں پانے کے لیے مرے جا رہا ہوں جیسے.....'' وہ نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر کہہ رہا تھا۔'' مائی فٹ.....تم دو ٹکے کی نوکرانی ہو' یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے تیزی سے نکل گیا تھا۔

وہ چند لمحے گم صم بیٹھی رہی اس کے کہے گئے نازیبا لفظ اسے برے نہ لگے مگر وہ اس کی سوچوں کے برعکس نکلا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا اس کی ہوس سے ملازمائیں بھی محفوظ نہیں اور سچ بھی یہی ہوتا ہے کہ ہمیشہ کمزور ہی طاقتور کا ہدف بنتے ہیں۔ وہ ہوس کا پجاری تھا پھر کیوں اسے چھوڑ گیا تھا؟ وہ اس کے لیے آسان ترین شکار تھی۔ جب سے وہ اسے پہچان گئی تھی تب سے نہ راتوں کو سکون سے سو سکی تھی نہ ہی دن میں سکون سے رہ سکی تھی۔ اس کی آہٹ پر بھی کانپ جایا کرتی تھی۔

''شاید وہ کسی اور اچھے موقع کے انتظار میں ہو؟ اپنی شرافت دکھانے کے لیے بنا مقصد پورا کیے چلا گیا۔'' دل سے آواز آئی۔

''اس سے اچھا موقع بار بار تو نہیں ملتا۔ وہ سوچ رہا ہوگا' اس پر اعتماد کرنے لگوں گی پھر وہ موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔'' اس کے اندر گویا جنگ جاری تھی مثبت و منفی رجحان کی۔

''جنت..... ایسا کچھ نہیں ہے اگر وہ اپنی من مانی کرنا چاہے تو کون روک سکتا تھا؟ پھر انہوں نے صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ میں نوکرانی ہوں اور اپنی اوقات کبھی نہ بھولوں۔'' ابو بکر کے خلاف جو اس کے دل میں خوف و دہشت تھی وہ خاصی حد تک کم ہو گئی تھی لیکن دل کہہ رہا تھا۔ وہ اس پر فوراً ہی بھروسہ کرے

بیٹھ جائے ہوسکتا ہے اس میں بھی کوئی چال ہو اس کی' کچھ شکاری شکار کو اعتماد دے کر بھی شکار کرتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

''رات سوتے سوتے اچانک ہی بری طرح کھانسی شروع ہوگئی تھی' وہ تو اللہ بھلا کرے ابوبکر کا جو رات کو سونے سے قبل میرے پاس شب بخیر کہنے ضرور آتا ہے۔ رات آیا تو میری بری حالت تھی' بدحواسی میں اسے سیرپ دکھائی نہیں دیا پھر وہ دوڑا ہوا تمہارے روم کی طرف گیا کہ معلوم کرے سیرپ کہاں رکھا ہے۔'' اس دوران پھر ان کی کھانسی شروع ہوگئی تھی۔ وہ پریشان ہوگئی جو اس نے کیا ابوبکر نے سب ان کے گوش گزار کر دیا ہوگا اور اب ان کا پیار بھرا رویہ بدل جائے گا۔

''ابوبکر نے دروازہ بہت ناک کیا مگر تمہاری آنکھ ہی نہیں کھلی پھر اس نے دوبارہ دیکھا تو سیرپ مل گیا تھا۔ وہ پلایا اس نے تو کھانسی کم ہوئی۔ وہ مخصوص شفقت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ جنت کی جان میں جان آئی کہ جن کی آنکھوں میں محبت دیکھتے ہیں' ان آنکھوں میں نفرت دیکھنا موت کے مترادف ہوتا ہے۔

''معاف کردیجیے اماں بی..... میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی۔'' ابوبکر کے آنے کا مقصد جان کر اور ان کی تکلیف کے خیال سے وہ رو پڑی۔

''نہ..... نہ جنت' مجھے معلوم ہے ساری دن کی تھکی ہوئی ہوتی ہو' میری خدمت میں ہی لگی رہتی ہو۔ رات میں آنکھ نہیں کھلی تو کوئی بات نہیں میں تمہیں بتا رہی ہوں' شکایت تھوڑی کر رہی ہوں۔''

''نہیں اماں بی..... یہ میری کوتاہی ہے' یہاں میں آپ کی خدمت کے لیے آئی ہوں مجھے ایسی نیند نہیں سونا چاہیے۔ آپ تکلیف سے تڑپیں اور میں بے فکری سے سوؤں۔'' اس کے لہجے میں ندامت و شرمندگی تھی۔

''خود کو دوش مت دو بیٹی..... اب جو ہونا تھا ہوگیا' پچھتانے سے کیا ہوگا۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

اکبر بغیر اطلاع کے صدف کے گھر آگیا تھا' آتے ہی پہلے اس نے جنت کے متعلق پوچھا۔ وہ دونوں ماں بیٹی پریشان تھیں کیونکہ انہوں نے اکبر کو جنت کی ملازمت کی اطلاع نہیں دی تھی وہ اس کی طرف سے اس لیے بے فکر تھیں کہ اس نے کبھی بھی جنت کی پروا نہیں کی تھی۔ آج آکر وہ جس بے تابی و بے قراری سے اس کا پوچھ رہا تھا اس سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان سے جواب ہی نہیں بن پڑ رہا تھا۔

''تم نے تو آتے ہی جنت جنت کی رٹ لگا دی ہے ایسا کیا ہوگیا ہے؟ صدف کو بھی تو پوچھ لو وہ بھی تمہاری ہی بیٹی ہے۔'' شریفہ نے گھبرائے لہجے میں کہا۔

''صدف کو پوچھ چکا ہوں اور تجھے بھی..... تم دونوں یہیں نظر آرہی ہو' وہ کہاں ہے؟'' اکبر نے ادھر

اُدھر دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''اما..... وہ پڑوس میں قرآن خوانی میں گئی ہے ابھی آجائے گی۔'' صدف نے ماں کو پرسکون رہنے کا اشارہ کرکے اس سے کہا۔

''پڑوس میں تم رہتی ہو اور قرآن خوانی میں اس غریب کو بھیج دیا' یہاں بھی تم لوگوں نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔''

''ارے واہ' کون سا بھوت چڑھ گیا ہے بیٹی کی محبت کا؟ صدف کی حالت دیکھ رہے ہو وہ کہیں جانے کے قابل ہے اور میں صدف کو تنہا چھوڑ کیسے جاسکتی تھی عقل سے تو سوچو۔'' وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

''عقل تو اب آئی ہے مجھے ایک عرصے سے میں اپنی بیٹی سے غافل رہا' نہ معلوم کیوں میری آنکھوں پر نفرت کی پٹی بندھ گئی تھی۔ اپنی محبت' اپنی رفعت کی پہلی اور آخری نشانی کی میں نے بالکل قدر نہ کی۔'' وہ گویا کسی گہری نیند سے بیدار ہوا تھا' خیالوں کی عمیق گہرائیوں سے نکلا تھا۔ ایک طویل عرصے بعد سوکن کا نام وہ بھی اس انداز میں حسد و جلن' شریفہ کی رگ و پے میں لاوا دوڑنے لگا تھا۔

''مرد اور موسم کب بدل جائیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اماں تم ابھی ابا سے الجھنے کی کوشش مت کرو' یہ سوچو ابھی تو بہانہ کردیا ہے قرآن خوانی کا مگر شام کو کیا بتائیں گے؟ ابا تو بالکل ہی بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے وہ صرف جنت کے ابا ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے نہ واسطہ، جب سے آئے ہیں۔ جنت جنت پکارے جا رہے ہیں۔'' اکبر کی آنکھ لگی تھی صدف شریفہ سے مخاطب ہوئی۔

''ایسا کیا ہوا جو باسی کڑی میں ابال آنے لگے ہیں؟ آج سے پہلے تو اس نے کبھی بھی جنت کو اس انداز میں پکارا نہ تھا' جو میں کہتی گئی اس پر یقین کرتا چلا گیا اور آج تو اس کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔''

''مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے اماں' جب ابا کو اصل بات پتا چلے گی پھر کیا ہوگا' مجھے لگتا ہے بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے۔'' اس کے پھولے پھولے چہرے پر پریشانی بکھری ہوئی تھی۔

''مجھے بھی فکر ہے اس کایا پلٹ پر پھر ایک عرصے بعد عیش و آرام نصیب ہوا ہے اکبر اسے کام پر سے ہٹا دے گا اور ہمارے ہاتھ آنے والی وہ موٹی رقم چھن جائے گی۔'' شریفہ کو سب سے زیادہ نوٹوں کی فکر تھی۔

''اماں..... ابا ہمارا حشر کیا کرے گا یہ بھی سوچو؟ سچ مجھے تو آج ابا سے بہت ہی ڈر لگ رہا ہے پہلے کبھی ابا کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا۔''

''ہاں یہ تو ہے مگر تو بے فکر رہ، میں کوئی نہ کوئی ایسا چکر چلاؤں گی جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

☆.....☆.....☆

''میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھا لیپ ٹاپ میں مصروف تھا جب وہ موقع دیکھ کر وہاں آ کر گویا ہوئی۔

''کس بات کی معافی؟'' اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر ہی مرکوز تھیں۔ انگلیاں کی بورڈ پر تھرک رہی تھیں آواز میں پہاڑوں جیسی سختی تھی۔

''اس رات میں نے آپ کو انجانے میں بہت کچھ کہہ دیا تھا' بہت شرمندہ ہوں میں۔ بے حد افسوس ہے میں نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا اور آپ نے اماں بی کو نہ بتا کر میری لاج رکھی۔ ان کی نگاہوں سے مجھے گرنے سے بچالیا اگر اماں بی مجھے دھتکار دیتیں' خفا ہو جاتیں پھر مجھے تو کہیں امان نہ ملتی یہ آپ کی مہربانی ہے جو.....''

''اٹس اوکے' تم جا سکتی ہو۔'' اس کے انداز میں وہی سرد مہری تھی اس کے لیے یہی کافی تھا' اس نے اسے معاف کر دیا تھا اور وہ شاید اتنی آسانی سے معاف کرنے کا عادی تھا۔

اماں بی کی طبیعت ان دنوں خاصی ناساز تھی' ہارٹ پیشنٹ ہونے کے باعث وہ کولیسٹرول' شوگر اور ہارٹ بیٹ کی کبھی کمی و زیادتی کا شکار ہونے لگی تھیں۔ اس ہفتے ان کی طبیعت سنبھل کر نہ دے رہی تھی۔ ڈاکٹر نے کئی بار سنجیدگی سے ہسپتال ایڈمٹ کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر اماں بی ڈاکٹرز سے خوف زدہ رہتی تھی اور ہسپتال ایڈمٹ ہونے سے گویا ان کی جان جاتی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورے اور ابوبکر کا اصرار وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتی تھیں۔

''نانی جان! آپ کو اپنی فکر نہیں ہے تو میری فکر ہی کر لیجیے۔ آپ کے سوا میرا کون ہے؟ میری خاطر آپ کو بیماریوں کو شکست دینی ہے' زندہ رہنا ہے۔'' ان کی ناں ناں کی رٹ سے وہ شکستہ ہو کر بولا۔

''ان ہسپتالوں کے چکروں سے اللہ بچائے' آج کل ڈاکٹر تو مانو قصائی بن گئے ہیں اور ساتھ ہی پیسہ کمانے کی مشین بھی۔ بندہ مر بھی رہا ہو تو ان کی جان بچانے کی نہیں صرف اپنے ٹیسٹوں کی فکر ہوتی ہے۔''

''نانی جان.....! وہاں سب میرے جاننے والے ہیں' ایسا کوئی بے ایمان ڈاکٹر نہیں ہے آپ ایک بار چلیں تو سہی میرے ساتھ۔'' وہ رات سے ان کو ہسپتال لے جانے کی سعی میں مگن تھا ایک وہ تھیں کہ چکنی مچھلی کی مانند گرفت میں آنے سے قبل پھسل جاتی تھیں۔

''اگر تم چاہتے ہو میں ٹھیک ٹھاک ہو جاؤں' تم کو میری فکر نہ رہے' میری طرف سے تم بے فکر رہ سکو' ایسا کرنے کے لیے میرے پاس ایک ترکیب ہے تم مانو تو بات بن جائے گی۔'' اس وقت وہ دونوں روم میں تھے کچھ دیر قبل ہی جنت وہاں سے گئی تھی ان کی فرمائش پر گرین ٹی تیار کرنے ان کی بات پر وہ فوراً بولا۔

''واؤ.....! یہ بہت فنٹاسٹک ترکیب ہے جلدی سے بتایئے۔''

''شادی کر لو تم۔'' وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

''شادی کر لوں؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''ہاں ہاں شادی کر لو' اس میں سر پکڑ کر بیٹھنے والی کیا بات ہے؟ میں نے کوئی انہونی بات نہیں کی ہے' سب ہی مرد شادی کرتے ہیں۔''

''لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''پھر مجھ سے بھی اب مت کہنا علاج کروانے کی۔'' وہ دو بدو گویا ہوئیں۔

''یہ بے معنی ضد ہے آپ کی' پلیز یہ ضد چھوڑ دیجیے۔'' وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر احترام سے گویا ہوا۔

''اپنے اور باپ کے نام کو گمنام رکھو گے؟ کیا میری بیٹی کا خاندان آگے نہیں بڑھے گا۔'' وہ اس کو جذباتی انداز میں سمجھا رہی تھیں لیکن اس کا دل کسی پتھر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ان کی ہر بات دل و جان سے ماننے والا ان کی اس بات کو نہیں مان رہا تھا۔ شدت سے ان کی خواہش کو رد کر رہا تھا اور اس بار تو وہ بھی تہیہ کر چکی تھیں کسی نہ کسی طرح اس کو راضی کریں گے۔ وہ ابھی اس بحث میں الجھے ہوئے ہی تھے معاً رمضان بابا نے آ کر اطلاع دی تھی جنت کے ماں باپ کے وہاں آنے کی۔

''ان کو واپس بھیج دیجیے بابا' جس دن سیلری لینے آئیں جب ہی اس سے مل سکتے ہیں اس کے علاوہ نہیں' یہ بات پہلے سے طے ہے۔'' ابوبکر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو رمضان!' اماں بھی ان کو جاتے دیکھ کر گویا ہوئیں۔

''ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور جنت کو خبر کرو۔''

''جی بہتر۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے چلے گئے۔

''نانی جان..... میں نے کہا تھا ان لوگوں کو رعایت نہ دیں۔''

''اس پر پہلا حق اس کے والدین کا ہے جنت یہاں ملازم ضرور ہے غلام نہیں۔ ملازمت اور غلامی میں فرق ہوتا ہے۔''

☆.....☆.....☆

اکبر کے سینے سے لگی جنت کو یہ ایک خواب کی مانند لگ رہا تھا وہ دعا کر رہی تھی اگر یہ کوئی خواب ہے تو اس رات کی صبح کبھی نہ ہو۔ اگر سچ ہے تو یہ وقت یہیں ٹھہر جائے' دنیا یہیں ختم ہو جائے۔ شریفہ نے جھوٹ کے پلندوں اور مجبوریوں کی گٹھری اکبر کے آگے کھول دی تھی یہاں صدف نے بھی رونے دھونے میں ماں کا ساتھ دیا تھا اور اکبر کو غصے سے بھڑکنے کے بجائے دم سادھے دیکھ کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس کی باتوں پر خاموشی کی مہر لگا چکا تھا۔

شریفہ کے انکشاف نے اس کا سر جھکا دیا تھا وہ خود سے شرمندہ تھا صدف سوتیلی بہن تھی اور شریفہ سوتیلی ماں' ان سے کسی خیر کی توقع ہی عبث تھی پھر اس نے کون سا حق نبھایا تھا وہ سگا باپ تھا سارا قصور اس کا تھا۔ اس نے کیوں سوتیلے رشتوں کے رحم و کرم پر جنت کو چھوڑ دیا تھا؟ صدف و شریفہ مجرم تھیں تو ان سے بڑا مجرم وہ خود بھی تھا۔ وہ نامعلوم کب تک اس کی طرف سے غافل رہتا وہ تو پچھلے دنوں اچانک جگر میں ہونے والی تکلیف اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی پھر مختلف مراحل وٹیسٹ وغیرہ سے گزرنے کے بعد جو رپورٹ آئی تھی وہ اس کی ہوش میں لانے کے لیے کافی تھی اس کو جگر کا کینسر ہو گیا تھا جو لاسٹ اسٹیج پر تھا۔ آناً فاناً موت اسے قریب محسوس ہونے لگی اور جب موت سامنے ہو پھر سارے گناہ اور تمام زیادتیاں یاد آنے لگتی ہیں' سب سے پہلے اسکی زیادتیوں کا شکار رفعت بنی تھی۔

رفعت جو اعلیٰ خاندان کی خوب صورت لڑکی تھی' باپ کے سائے سے محروم ماں اور بھائی جس کے سرپرست تھے۔ وہ ماں و باپ دونوں سے محروم تھا' قسمت سے تنہا تھا اور پڑھا لکھا شکل وصورت سے کسی اچھے گھرانے کا فرد لگتا تھا۔ وہ ایک خراب لمحہ تھا جب اصغر نے اسے گھر میں ڈرائیور کی نوکری دی تھی اور بہت جلد وہ کالج سے پک اینڈ ڈراپ کرتے ہوئے سنجیدہ سی رفعت کے دل پر قابض ہو گیا اور محبت تو مشک کی مانند ہوتی ہے جس کی خوشبو چھپائے نہیں چھپتی ہے وہ بھی دل و جان سے اس پر فدا تھا۔ جب یہ خبر رفعت کے بھائی اور ماں کو ملی تو انہوں نے اس کو نوکری سے نکال دیا اور رفعت پر بھی خوب پہرے لگائے گئے مگر جب محبت کا دریا چڑھتا ہے تو راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ' ہر بند کو توڑ دیتا ہے۔ سنجیدہ و بے ضرر سی رفعت بھی جب محبت کے جنون میں خاندان کی عزت پامال کرنے کے درپے ہوئی تو پھر اصغر اور اس کی ماں نے سادگی سے اکبر سے نکاح کر کے اسے خالی ہاتھ رخصت کر دیا تھا اور ہمیشہ کے لیے تعلق بھی توڑ لیا تھا اور اسی دن سے اس کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تھا کیونکہ اکبر نے دولت کی لالچ میں اس سے شادی کی تھی اور سوچ رہا تھا رفعت کے گھر والوں کا وقتی غصہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ اتر جائے گا مگر جب وہ شادی کے ایک ہفتے بعد وہاں پہنچا تو معلوم ہوا وہ لوگ وہاں سے کوٹھی بیچ کر جا چکے ہیں۔

کہاں گئے ہیں کسی کو بھی معلوم نہ تھا انہوں نے جو کہا تھا وہ کر کے دکھایا تھا۔ اس کو رفعت کے حسن سے کوئی سروکار نہ تھا وہ اس کے ذریعے ملنے والی دولت کا شیدائی تھا' جوئے کی لت اسے ورثے میں ملی تھی۔ چند دنوں میں ہی رفعت کی محبت کا نشہ ہرن ہو گیا تھا وہ ناز و نعم میں رہتی آئی تھی غربت و افلاس کی مار اور اکبر کی محبت نفرت میں بدلتے دیکھ کر وہ ایک سال کے اندر ہی اندر ایک بچی کو جنم دے کر دنیا سے منہ موڑ گئی تھی۔ اس کے بدلے کی بچی ہوئی محبت و اذیت وہ جنت کو دیتا آیا تھا جس کی حد آج بیس سال گزرنے کے بعد ختم ہوئی تھی۔

''بیٹی .....! جو اس دنیا میں غلط کرتا ہے وہ اسے یہیں بھگت کر جانا پڑتا ہے۔ میں رفعت جیسی پرخلوص محبت کرنے والی بیوی کی قدر نہ کر سکا۔ بدلے میں مجھے شریفہ جیسی لالچی و خودغرضی بیوی ملی اور بیٹی بھی بالکل ماں کی طرح کم ظرف و نافرمان ملی ہے۔ اپنے کیے کی سزا میں پا رہا ہوں اور جو باقی رہ گئی ہے وہ یہ بیماری پوری کر دے گی۔'' اماں بھی کی منشاء پر رمضان بابا نے ان کی اچھی تواضع کی تھی شریفہ جو اکبر کے بولنے کے دوران بگڑے موڈ سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی البتہ کھانے کے لیے اس کا منہ کھلا اور پھر وہ ہر چیز سے انصاف کرتی چلی گئی تھی۔

''جنت بیٹی..... میرے ساتھ چلو میں تمہیں لینے آیا ہوں جو گزر گیا وہ گزر گیا' میرے ساتھ گھر چلو۔'' وہ محبت سے اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

''ابا.....! ابھی تو میں گھر نہیں جا سکتی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''کیوں بیٹی.....! ابھی بھی ناراضگی دور نہیں ہوئی ہے کیا؟'' وہ کچھ ہراساں دکھائی دینے لگے۔

''نہیں ابا..... ایسی کوئی بات نہیں۔''

''پھر کیا بات ہے بیٹی، کیا تمہیں اپنی مالکن سے ڈر لگ رہا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو میں تمہاری مالکن سے بات کر لیتا ہوں۔''

''اماں بی تو بے حد اچھی ہیں ابا۔'' وہ جلدی سے گویا ہوئی۔

''اچھا..... اچھا تمہیں اس کھڑوس مغرور کا ڈر ہوگا۔''

شریفہ نے معنی خیز لہجے میں ٹوکا' اکبر نے چونک کر پوچھا۔

''کون ہے وہ..... کس کی بات کر رہی ہو؟''

''نہیں نہیں چھوٹی ماں..... میں اماں بی کی بات کر رہی ہوں، ان دنوں ان کی طبیعت بہت خراب ہے ابھی میں ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔''

''جب تمہیں یہاں کام کرنا ہی نہیں ہے پھر کیوں پروا کرتی ہو بیٹی..... رہی بات سیلری کی تو میں لات مارتا ہوں ایسے روپوں پر۔'' اکبر بے حد جذباتی ہو کر گویا ہوا۔

''ابا..... بات پیسوں کی نہیں، مروت و ذمہ داری کی ہوتی ہے۔ اماں بی نے مجھے اس وقت سہارا دیا محبت دی جب محبت و اپنائیت کی مجھے اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اب انہیں میری ضرورت ہے اور ایسے میں ان کو تنہا چھوڑ کر جانا احسان فراموشی کے مترادف ہے۔'' اس نے آہستگی سے اپنے احساسات بیان کیے۔

''بڑے لوگ غریبوں کو اتنی اہمیت کہاں دیتے ہیں جو تم برسوں کے بعد ملنے والی باپ کی محبتوں کو

ٹھکرا رہی ہو چلی چلو ہمارے ساتھ۔'' شریفہ نے بھی از راہ مروت کہا تھا ویسے بھی وہ اپنے جھوٹ کے سچ ہونے پر پشیمان تھی۔ جنت کے لیے ملازمت حاصل کرنے کے لیے اس نے اماں بی سے جھوٹ بولا تھا کہ اس کا خاوند سخت بیمار ہے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے اور کاتب تقدیر نے اسی وقت اس کی زبان پر مہر لگا دی تھی۔

''چلو میں تمہاری مالکن سے بات کرتا ہوں۔'' وہ ان کے ہمراہ اماں بی کے کمرے میں آئی تھی ابوبکر بھی وہاں موجود تھا کیونکہ وہ محتاط طبیعت کا مالک تھا اور شریفہ کی حرکتیں اسے بھی مشکوک لگا کرتی تھیں پھر وہ اپنے خاوند کے ہمراہ آئی تھی اور وہ آدمی کس نیچر کا ہوگا ایسے میں اسے اماں بھی کو تنہا چھوڑنا مناسب نہ لگا تھا۔

رمضان نے بتایا تھا جنت کا باپ اماں بی سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اماں بی نے حسب عادت اس کو ملنے کی اجازت دے دی تھی مگر اسے سخت اعتراض تھا' اس کا خیال تھا ایسے لوگوں سے وہ نہ ملا کریں' اس آدمی کی بات اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ وہ سیلری بڑھانے کا ہی کہے گا۔ ہمیشہ کی طرح اماں نے اس کی بات کو رد کر دیا تھا اور کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے موجود تھے۔ سب کو سلام کرتے اس بندے میں ایسی کچھ کشش تھی جو ابوبکر جیسے کسی کو اہمیت نہ دینے والے بندے کو بھی چونکا گئی تھی۔ چونک تو کچھ اماں بھی گئی تھیں ان کو وہ شخص کچھ کچھ شناسا لگ رہا تھا۔ اکبر نگاہیں جھکا کر بیٹھا تھا ان کی پروقار و بارعب شخصیت کے سامنے وہ کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ پا سکا تھا وہ بات کرنے کے لیے لفظوں کے تانے بانے میں الجھا ہوا تھا معاً شریفہ نے پکارا تھا۔

''اکبر..... بات کرو ناں بیگم صاحبہ سے جو کرنے آئے تھے۔''

''اکبر.....؟'' اماں بھی کی سماعتوں میں دھماکے سے ہوئے تھے۔

''جلال اکبر..... تم جلال اکبر ہو؟'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی کانپتی آواز میں استفسار کرنے لگی تھی۔ ان کا چہرہ عجیب سا ہو گیا تھا۔

''جی..... جی ہاں..... میں جلال اکبر ہوں۔ آپ میرا پورا نام کیسے جانتی ہیں؟'' اکبر سخت حیران ہوا' ابوبکر بھی حیرانگی سے اماں کی طرف دیکھ رہا تھا یہی حالت شریفہ اور قریب کھڑی جنت کی تھی۔

''میں حاجرہ ہوں..... رفعت کی سگی خالہ..... رفعت کہاں ہے؟'' ان کے کمزور سے وجود میں کپکپی طاری ہوئی وہ پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان بے قراری سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ رفعت کے نام پر وہاں موجود تینوں افراد کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔

''تم مجھے نہیں جانتے مگر میری بہن صابرہ نے مجھے تمہاری تصویر دی تھی۔''

''رفعت تو جنت کی پیدائش پر فوت ہو گئی تھی' میں نے صابرہ آنٹی اور اصغر بھائی کو ڈھونڈنے کے لیے پورا حیدر آباد چھان ڈالا تھا مگر وہ لوگ ایسے غائب ہوئے کہ کبھی ملے ہی نہیں پھر میں حیدر آباد چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو گیا اور وہاں جا کر رفعت چند ماہ ہی جی سکی تھی۔'' وہ کہہ رہا تھا اور اماں بی کے آنسو بے آواز رخساروں پر

بہنے لگے تھے وہ یک ٹک گم صم کھڑی جنت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جنت کے لیے آج سورج بہت سارے انکشافات لے کر ابھرا تھا۔

''رفعت نے ڈرائیور سے شادی کر کے خاندان کے نام پر جو کالک لگائی تھی، اس کے خوف سے ہی وہ آدھے دام میں گھر فروخت کر کے ساہیوال چلے گئے تھے۔ صابرہ بیٹی کی جدائی چند ماہ بھی برداشت نہیں کر پائی تھی۔ اس نے مرنے سے چند دن پہلے تمہاری تصویر دے کر کہا تھا' تم کبھی مل جاؤ تو اس کا پیغام پہنچا دوں' اس نے تمہیں اور رفعت کو معاف کر دیا ہے مگر تم کہاں ہو یہ کسی کو پتا نہ تھا پھر صابرہ کی موت کے بعد ہی اصغر اور بلقیس تین سال کے ابوبکر کو لے کر یو کے چلے گئے اور تین سال بعد پاکستان آئے تو ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔'' اماں بی گویا ماضی میں گم بول رہی تھیں اور بولتے بولتے وہ بے ہوش ہو کر گر گئی تھیں، فوراً نہیں ہسپتال شفٹ کیا گیا۔ اور وہاں ڈاکٹرز نے تصدیق کر دی ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

وہ انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں ایڈمٹ تھیں آئندہ چوبیس گھنٹے ان کے لیے بڑے اہم تھے۔ اکبر اور شریفہ کو اس نے گھر سے چلتا کر دیا تھا گو کہ تقدیر نے ان لوگوں سے بڑا اہم رشتہ استوار کر دیا تھا۔ اور وہ لڑکی جو کل تک اس گھر میں ملازمہ کی حیثیت سے رہ رہی تھی' یکلخت ہی وہ اس کی پھوپی زاد کزن نکل آئی تھی اور رشتے دار بن بیٹھی تھی اور اماں بی اس لڑکی کی اس قدر گرویدہ ہو گئی تھیں کہ وہ خواہش کے باوجود اس کو ان کے ساتھ روانہ نہ کر سکا تھا۔

تین دن بعد ان کی حالت سنبھلی تو ان کو روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا' ان کی حالت خطرے سے باہر تھی بیٹھتے ہی انہوں نے پہلے جنت کو سینے سے لگایا تھا اس کی پیشانی پر بوسے دیئے تھے۔

''میں نے تمہیں پہلے دن دیکھا تھا اور دیکھتی رہ گئی تھی' مجھے لگا تھا میرے سامنے رفعت آ کر کھڑی ہو گئی ہو' وہ بالکل تمہاری جیسی تھی۔''

''غور سے دیکھ لیجیے نانی جان! یہ کہیں رفعت پھوپی کی روح تو نہیں۔'' بار بار ان کو یہی فقرے دہراتے ہوئے دیکھ کر وہ چڑ کر بولا۔

''ارے روح کیوں ہونے لگی رفعت کی؟ یہ بیٹی ہے اس کی اور اکثر بیٹیاں ماں کی مشابہت لے کر پیدا ہوئی ہیں۔''

''دعا کریں صرف مشابہت لے کر ہی پیدا ہوئی ہوں کردار نہیں۔'' اس کی زبان پر کوئی سینسر نہیں تھا وہ اسی طرح بے لگام بولا کرتا تھا۔ اماں بی اور جنت چپ ہو گئیں۔ عورت غلطی ایک بار کرتی ہے۔ مگر سزا تاحیات ہی نہیں مرنے کے بعد بھی اس کی نسلوں کو وہ سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

''نانی جان..... پلیز آپ زیادہ گفتگو نہ کریں ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے آپ صرف آرام کریں

زیادہ سے زیادہ۔'' وہ ان کی جذباتی حالت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

جنت ان کو سوپ پلا رہی تھی۔ ابوبکر اسے اماں کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اکبر ان کی عیادت کو آیا تھا اماں بی کو سلام کرنے کے بعد جنت سے بڑی محنت سے ملا تھا۔

اماں بی کے کہنے پر اس نے جوس کا گلاس اکبر کی طرف بڑھایا تھا اور خود کچھ فاصلے پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئی اور رباپ کو محبت سے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے باپ کی صحت بہت اچھی تھی، گھنیرے بال اور رنگت سرخ و سفید ہوا کرتی تھی لیکن ان چند ماہ کے عرصے میں وہ بالکل بدل کر رہ گیا تھا' رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ جسم گھل گیا تھا اور بالوں کی مقدار برائے نام رہ گئی تھی۔ وہ رو رہا تھا زاروقطار' معافیاں مانگ رہا تھا اور باپ کو روتا دیکھ کر وہ بھی خود پر قابو نہ پا سکی تھی۔ آنسو چھپانے کے لیے باہر گیلری میں چلی گئی تھی۔

''اماں بی..... میں اپنی ساری غلطی، ساری بھول مانتا ہوں ایک ایک خطا کی میں نے بہت اذیت اٹھائی ہے اور اٹھا رہا ہوں۔''

''میں نے تمہیں معاف کیا جلال! اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔'' وہ سچے دل سے اسے معاف کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''جزاک اللہ! اماں بی بس میری ایک التجا ہے آپ سے۔'' وہ آنسو صاف کرتا ہوا گویا ہوا۔

''ہاں کہو' کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ پوری طرح متوجہ تھیں۔

''آپ نے دیکھا' شریفہ نے میری غیر موجودگی میں میری لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر جنت کو ملازمت پر لگا دیا تھا۔ میں اب صرف چند دنوں کا مہمان ہوں' پھر میرے جانے کے بعد اس لالچی عورت کو کسی کا بھی ڈر نہیں ہوگا اس سے کچھ بعید نہیں وہ نوٹوں کے لالچ میں جنت کو بیچ بھی سکتی ہے۔'' اماں پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

''میں آج اور ابھی سے اس کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتا ہوں' اب اس کی ذمہ داری آپ پر ہے کسی نیک اور شریف لڑکے سے بیاہ کرنا آپ کی ذمہ داری و فرض ہے۔ آپ رفعت کی خالہ ہیں۔ خالہ ماں ہوتی ہے اور کوئی بھی ماں بچوں کا برا نہیں چاہتی مجھے شریفہ پر نہیں آپ پر اعتماد ہے۔'' اکبر نے اپنا بوجھ اتار کر ان کے ناتواں کاندھوں پر ڈال دیا تھا۔ طبیعت کچھ بہتر ہوئی تھی وہ منت سماجت کر کے ہسپتال سے گھر آ گئی تھیں۔ جنت ان کی خدمت میں پہلے سے زیادہ لگ گئی تھی' وہ آج کل دل ہی دل میں اس کے لیے لڑکے تلاش کر رہی تھیں لیکن کوئی بھی لڑکا ان کو جنت کے ساتھ جچا نہیں تھا۔ رات اچانک ان کے دل میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا تھا۔

''ارے میں کیوں دوسروں کے بچوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں' جنت جیسی لڑکی ہی ابوبکر کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھر سکتی ہے۔ وہ میرے ابوبکر کی دلہن بنے گی؟ ہاں میرے ابوبکر کی۔'' مسرت سے

جھومتے ہوئے انہوں نے نہ صرف سوچا بلکہ رات کو ہی وہ آیا تو اسے بھی فیصلہ سنا ڈالا تھا۔

''نانی جان..... ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ایسا ممکن نہیں ہے ہرگز نہیں۔'' ان کے جذباتی فیصلے پر وہ شاکڈ رہ گیا تھا۔

''اگر اس بار تم نے میری بات نہ مانی تو میرا مرا منہ دیکھو گے۔''

''نانی جان..... ! مجھے امتحان میں نہیں ڈالیے خدارا۔''

ان کا عزم و حوصلہ اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔

''جلدی فیصلہ کرو شادی یا نانی کی موت۔''

''خدا کے واسطے، مجھے فیصلہ کرنے کے لیے موقع دیجیے۔''

''اب کوئی موقع تمہیں نہیں ملے گا' صرف آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس سوچ کہہ لو' ہاں..... ناں.....؟

وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھیں' وہ وہاں جنت کے پاس آیا تھا جو کچن میں سوپ بنا رہی تھی۔

''سنو..... تم کو معلوم ہے نانی جان کیا کرنے جا رہی ہیں؟''

''جی..... جی ہاں۔'' اس کا چہرہ جھکا ہوا آواز دھیمی تھی۔

''پھر تم نے کیا جواب دیا..... کیا تم مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو؟''

''میں نے اپنی تقدیر اماں بی کے ہاتھوں میں سونپ دی ہے۔''

''بہت برا کیا ہے تم..... بہت برا..... ابھی بھی وقت ہے تم جا کر ان کو خود اس شادی سے انکار کر دو وگرنہ دوسری صورت میں یاد رکھنا میں تمہارا وہ حشر کروں گا' تم میرے نام سے بھی کانپو گی۔''

☆.....☆.....☆

مقام نور سے آتا ہے ہر کرن کا جواب
دلوں میں جب کوئی روشن سوال ہوتا ہے
وہ انتہائے کرم سے نواز دیتا ہے
مجھے جب اپنی خطا پر ملال ہوتا ہے

اس کے پھنکارتے لہجے میں ایسی ہی کوئی بات تھی۔ اس کا دل لمحے بھر کو دھڑکنا بھول گیا' مارے دہشت کے خون ہڈیوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا تھا وہ محض دھمکی نہ تھی۔ اسنے جو کہا تھا وہ کر دکھانے کی بھی اہلیت رکھتا تھا وہ ایسا ہی ظالم و جابر تھا۔

''ابھی جاؤ اور اسی وقت شادی سے انکار کر دو نانی جان سے۔'' وہ سخت لہجے میں حکم نافذ کر رہا تھا وہ خاموش ہی رہی تھی۔

''تم سے کہہ رہا ہوں میں دیواروں سے نہیں۔'' وہ ہونٹ بھینچے خاموش کھڑی رہی۔

سمجھ نہیں آرہی ہے تمہیں میری بات ایڈیٹ؟ میں تم سے ہی بکواس کر رہا ہوں۔ جاؤ اور جا کر نانی جان سے کہہ دو' تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی..... وہ یہ رشتہ ختم کر دیں۔'' دو منٹ میں ہی وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

''آپ خود انکار کیوں نہیں کر دیتے؟'' اسے ساتھ رہتے ہوئے کئی ماہ ہو گئے تھے اور اس نے ایک دفعہ بھی ایسی کوئی بات نہیں دیکھی تھی جو باتیں جو الزام اس سے منسوب تھے۔ یہ درست تھا وہ غصہ ور تند خو سخت مزاج، کسی پر بھی اعتبار نہ کرنے والا بندہ تھا۔ منہ پھٹ اور صاف گو حد سے سوا تھا' ایک بار سنی سنائی باتوں کے زیر اثر وہ اس کے کردار سے بدگمان ضرور ہوئی تھی اور آج تک وہ اپنی اس وقت کی سوچ پر شرمندہ تھی۔ اس نے یہ پرکھا تھا وہ بد دماغ ضرور تھا مگر بدکردار ہرگز نہیں..... پھر اس سے اتنی بڑی بات کہنے کی جرات بھی شاید قائم ہونے والے اس رشتے نے دی تھی کہ تقدیر نے اسے ملازمہ سے کزن بناڈالا تھا۔

''وہاٹ..... کیا کہا تم نے..... پھر سے کہنا؟'' اس کی جرأت اسے بھی حیران کر گئی تھی۔

''آپ خود اماں بی کو انکار کر دیجیے میں انکار نہیں کر سکتی۔''

''کیوں..... کیا وجہ ہے انکار نہ کرنے کی؟'' وہ اس کی پشت پر بکھرے سنہرے ریشمی بالوں کو گھورتا

ہوا بولا۔

''میں دو خون اپنے سر نہیں لے سکتی' یہاں اماں بی کی ہارٹ کنڈیشن بہتر نہیں ہے اور وہاں میرے ابا زندگی کی ٹوٹتی سانسیں گن رہے ہیں دونوں کی نظریں مجھ پر ہی لگی ہیں' ایسی حالت میں ان کو کس طرح صدمہ پہنچایا جا سکتا ہے۔'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''دیکھو..... تم مجھے ایموشنل بلیک میل ہرگز نہیں کر سکتی' نانی جان کو بہتر علاج کے لیے امریکہ لے جاؤں گا اور رہا سوال تمہارے باپ کا تو مجھے اس شخص سے کوئی سروکار نہیں وہ مرے یا جیئے۔'' سفاکیت و بے رحمی اس کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

''پلیز..... میرے ابا کے بارے میں ایسے نہ کہیں' وہ آپ کی پھوپو کے شوہر ہیں۔ آپ کے والد کی بہن کے شوہر۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''نہ میں اس عورت سے کوئی رشتہ رکھنا پسند کرتا ہوں جس کی خود پرستی کی خاطر میرے بابا مما اور دادی کو شہر بدر ہونا پڑا اور نہ ہی اس عورت سے وابستہ کسی رشتے کو میں مانتا ہوں۔''

''آپ مانیں نہ مانیں' رشتے آسمانوں پر بنائے جاتے ہیں اور آج نہیں تو کل ان رشتوں کو ماننا ہی پڑے گا۔'' وہ اسی طرح رخ موڑے ہوئے بولی۔

''اس بکواس کا مطلب ہے تم انکار نہیں کرو گی؟ آل رائٹ' انجام کے لیے بھی تیار رہنا۔'' وہ غراتا ہوا واپس چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اماں بی کی دیرینہ خواہش پوری ہونے جا رہی تھی حالانکہ ابوبکر نے کسی مرکھنے بیل کی مانند رسی توڑ کر بھاگنے کی ہر ممکن سعی کی تھی اور ہر راہ پر اماں بی کسی اڑیل قصائی کی طرح پہلے ہی راستہ روکے کھڑی تھیں۔ فرار کی ہر راہ مسدود دیکھ کر وہ بپھرا ہوا جنت کی طرف آیا تھا۔ اس کو سو فیصد یقین تھا کہ وہ ڈری سہمی رہنے والی کمزور اور بے ضرر سی لڑکی اس کے کہے پر چلے گی۔ جو وہ کہے گا مانے گی' اس کی بات سے انحراف کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہوگا مگر اس کی تمام خوش گمانیاں ہوا میں تحلیل ہو گئی تھیں۔

وہ کمزور بے ضرر لڑکی' بہت نڈر و باحوصلہ ثابت ہوئی تھی۔ اس کے ایک دو نہیں کئی بار کہنے کے باوجود وہ پیچھے نہیں ہٹی تھی اور یہیں سے وہ اس کا دشمن بن بیٹھا تھا کیونکہ اسے یقین تھا۔ نانی جان اس پر اپنا فیصلہ زبردستی نہیں لاگو کریں گی لیکن وہ بہت ہوشیار ثابت ہوئی تھی۔ پروں پر پانی نہ پڑنے دیا تھا' اس نے تہیہ کر لیا تھا اس زبردستی کا مزہ وہ اسے خوب چکھائے گا اس کا ساتھ نہ دے کر جنت نے اپنا مقدر خود خراب کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اکبر کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی مگر وہ خود کو سنبھالے ہوئے جنت کی شادی کی تیاریوں میں لگا

ہوا تھا۔شریفہ اور صدف کو جب یہ معلوم ہوا کہ جنت کی ماں کا تعلق امیر کبیر گھرانے سے تھا نیز یہ کہ وہ اماں بی کے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھیں جب اس کو ملازمت کے لیے وہاں پر چھوڑ کر آئی تھیں اور اس سے بھی زیادہ برا وقت وہ تھا جب وہ اکبر کی باتوں میں آکر اسے اس بڑھیا سے ملانے لے گئی تھی اور یہی اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی اس کو محسوس ہوئی تھی۔ نہ وہ جنت کو وہاں ملازمت دلواتی نہ اس طرح اکبر اور اس بڑھیا کی ملاقات ہوتی (جو جنت کی ماں کی سگی خالہ تھی) پھر نہ ہی اس لڑکی کے نصیب کھلتے' وہ لڑکی جو کسمپرسی و تنگ دستی کی گود میں پلتی آئی تھی' اب اس کے مقدر نے ایسی پلٹی کھائی تھی کہ وہ حقیقتاً نوکرانی سے رانی بننے جارہی تھی۔ اس کی خوشی ان کا غم بنی ہوئی تھی اکبر کا بدلا ہوا رویہ کچھ کہنے کی اجازت نہ دیتا تھا کہ کل تک وہ بیٹی سے جس قدر بے پروا و بے فکر رہا کرتا تھا۔ اب ایسا بیٹی کا گرویدہ ہوا تھا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا اسے دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی حیثیت ابوبکر کے سامنے آٹے میں نمک کی مانند ہے اس نے جنت سے شادی کی ہامی بھر کر اس پر بہت بڑا احسان کیا ہے وہ ان کے شایان شان تو نہیں مگر اپنی بساط سے بڑھ کر تیاریاں کر رہا تھا۔ اس ہفتے میں ہی نکاح و رخصتی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی۔ وہ اماں بی کے کہنے پر جنت کو یہاں نہیں لایا تھا ان کی طرح وہ بھی شریفہ اور صدف پر بھروسہ کرنے کو تیار نہ تھا۔ ابھی بھی وہ جنت سے ان کی جلن و حسد کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا حالانکہ وہ کئی بار ابوبکر کے خلاف اس کے کان بھرنے کی کوشش کر چکی تھی اور وہ ہر بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتا رہا تھا اور اسے یقین تھا اول تو وہ ایسے گرے ہوئے کردار کا ہوگا نہیں اور دولت کے نشے میں پاؤں ڈگمگا بھی گئے ہوں گے جنت جیسی صابر و فہم و فراست کی مالک لڑکی بہت جلد اسے راہ راست پر لے آئے گی پھر جنت کو سہارا دینے کے لیے اماں بی کا بھرپور ساتھ موجود تھا جو ہر دم اس کے ساتھ کھڑی تھیں۔

ابوبکر کی شادی کی خبر رباب بیگم سمیت سب پر ہی بجلی بن کر گری تھی۔ کچھ ماہ سے جو گھر میں ان لوگوں کے درمیان رسہ کشی چل رہی تھی وہ اماں بی کی ایک کال نے ختم کر دی تھی کیونکہ انہوں نے حکم دیا تھا۔ ابوبکر کا پوریشن ڈیکوریٹ کروایا جائے وہ اسی گھر میں بارات لانا چاہتی تھیں۔ یہ کام ملازموں کو کرنا اور کروانا تھا سو کام شروع ہو چکا تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کی گپ شپ بھی شروع تھی۔ سب سے زیادہ تجسس ان لوگوں کو ابوبکر کی دریافت ہونے والی کزن تھا شام میں وہ چاروں لان میں چائے پی کر فارغ ہوئی تھیں معاً نفیسہ بیگم رباب سے استہزائیہ لہجے میں کہنے لگیں۔

''اللہ ہی جانے کس لڑکی کا نصیب پھوڑنے کا ارادہ کر چکی ہیں اماں بی..... بلقیس کی بیٹی ملنے کا تو ڈھونگ کر رہی ہیں' کہیں غریب غرباء میں کوئی لڑکی دیکھ لی ہے ایسے ہی لوگوں میں اس کو لڑکی مل سکتی ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی..... شریف و عزت دار لوگ کیوں اپنی لڑکی اس جیسے اوباش کو دے کر اس کا مستقبل خراب کرنا چاہیں گے۔''

''اپیا..... یہ سارا قصہ کیا ہے؟ بلقیس کون ہے' کہاں رہی ہے؟'' وردہ نے پاؤں ہلاتے ہوئے پرتجسس انداز میں پوچھا۔

''ارے کیا بتاؤں وردہ..... آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ ابوبکر کی پھوپو نے بھی اسی طرح خاندان کی ناک کٹوائی تھی' وہ بھی گھر کے ڈرائیور پر فدا ہو کر اس حد تک پہنچ گئی کہ..... گھر سے بھاگنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ باپ تو اس کا پہلے ہی نہ تھا' ماں اور بھائی نے خاندان کی عزت بچانے کے لیے چار لوگوں کو بلا کر اس ڈرائیور کے ساتھ اس کا نکاح پڑھوایا اور ہمیشہ کے لیے ناطہ توڑ لیا تھا پھر بھی لوگوں نے ان کا رہنا وہاں دشوار کر دیا اور ان لوگوں کو حیدر آباد چھوڑ کر جانا پڑا تھا اور اب اسی ڈرائیور کی بیٹی کو بہو بنانے کی بات کی جارہی ہے۔'' رباب نے بہن کو مزے سے بتایا۔

''بات پھر وہی ہے کہ تمہیں ان کی بیٹی کہاں مل گئی؟ جس کو بچھڑے برسوں گزر گئے' وہ ملی بھی تو اماں بی کو ہی ملی۔''

''آئیں گی جبھی پتا چلے گا حقیقت کیا ہے؟''

''صاف بات ہے بھابی..... میں ابوبکر کی کسی رسم کسی کام میں شریک ہونے والی نہیں ہوں۔ اماں بی اور وہ اس گھر میں جس دن بھی قدم رکھے گا میں اسی دن وردہ کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میں اور وردہ کس دل سے وہ تماشہ دیکھ سکتے ہیں؟'' رباب نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا تو وردہ خاموش بیٹھی اپنے سے ذو معنی لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔

''ادینہ..... کافی اپ سیٹ لگ رہی ہو۔''

''وہ دراصل نیوز ہی ایسی سنی ہے پریشانی تو ہوگی' خیر یہ بتاؤ ابوبکر کی شادی کے فنکشنز اٹینڈ کرو گی یا ہماری طرح واک آؤٹ کر جاؤ گی؟'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''میں وہ کروں گی جو مما مجھ سے کہیں گی۔'' اس نے خاموش بیٹھی نفیسہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں کیا کہوں گی بھلا' اس معاملے میں ہارون کسی کی سنے گا؟ وہ اس گھر میں شادی کرنے کے ہی خلاف ہے۔'' انہوں نے صفائی سے اپنا دامن چھڑایا۔

''ہارون نے ناراضی کا اظہار کیا ہے کیا بھابی؟''

''ایسا ویسا..... وہ اماں بھی کو کال کر رہا تھا کہ ان کو بھی واپس آنے کی ضرورت نہیں ہے وہیں اپنے لاڈلے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے رہیں۔''

''اور یقیناً خالد بھائی نے کال کرنے نہیں دی ہوگی' وہ چیخ چلا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا ہوگا۔'' رباب نے ان کی بات قطع کرتے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''ہاں یہی ہوا ہے تم تو خالد کا مزاج اچھی طرح سے جانتی ہو۔''

''بالکل میں خالد بھائی کے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں لیکن اب آپ کیا کریں گی۔ ہارون کے دماغ کی گرمی آپ خوب جانتی ہیں وہ جو بات کہہ دے اسے پورا کر کے ہی دم لیتا ہے اور ادھر وہ ابو بکر وہ اس معاملے میں سب سے آگے ہے وہ بھلا ہارون کی بات کو خاطر میں کہاں لائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک جنگ تیار کھڑی ہوگی۔'' وہ خوف زدہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''اس خوف نے میری راتوں کی نیندیں اڑا رکھی ہیں۔''

''اس کا سیدھا حل یہ ہے کہ آپ ہاروں اور ادینہ کو کہیں بھیج دیں نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔''

☆.....☆.....☆

عزت و ذلت' نیک و بد' پستی و بلندی سب رب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کس کو کیا عطا کرتا ہے' اس کا انحصار پروردگار کی مرضی اور ہمارے اعمال پر بھی ہے۔ اس کی ماں نے شاید اس کی پیدائش سے قبل اس کے اچھے نصیب کی دعائیں مانگی ہوں گی شاید وہ اس وقت ٹوٹ کر بکھر گئی ہوگی جب اس پر یہ بھید کھلا ہوگا کہ اکبر کی محبت صرف دولت پانے کی چاہ میں تھی' وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس کو صرف جوئے کی لت سے پیار تھا۔ چند دنوں میں ہی احساس ہوا ہوگا کہ اس نے کیا پایا کیا کھویا؟ ان دکھ بھرے دنوں میں ہی اس نے دعا کی ہوگی اپنی پیدا ہونے والی اولاد کی خوش قسمتی کی' خوش بخت ہونے کی گو کہ ماں کی بدنصیبی کا سایہ بچپن سے اس کے ساتھ رہا تھا اور شاید اب قسمت مہربان ہونا چاہتی تھی یا اس کے نصیب میں اندھیروں کا اضافہ مزید ہونے چلا تھا کیونکہ ابو بکر کے تیور مسلسل بگڑے ہوئے تھے کئی بار اس نے کوشش کی کہ وہ اس شادی سے انکار کر دے مگر وہ باپ اور اماں کی دگرگوں حالت کے سب منہ پر قفل لگا کر بیٹھی رہی تھی۔ اپنی بدلتی تقدیر پر حیرت اسے بھی تھی۔ اماں بی سے اتنی قریبی رشتے دار نکل آئے گی اور دوسری ناممکن بات ممکن یوں بنی تھی کہ اس کا باپ جس نے کبھی شفقت بھری نگاہ اس پر ڈالنا گوارا نہ کی تھی۔ وہ اب اس کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔

''تم جب پہلی بار میرے سامنے آئی تھیں جنت' میں تمہیں دیکھ کر سکتے میں آ گئی تھی کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا میری بلقیس میرے سامنے کھڑی ہے برسوں بعد میرا دل عجب انداز میں دھڑکا تھا۔'' وہ اس وقت شادی کی تیاروں میں مگن تھیں' شوخ رنگوں کے ملبوسات ان کے سامنے رکھے تھے۔ جیولری بکس بھی رکھا ایک نولکھا ہار ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''کیا آپ بہت محبت کرتی تھیں ان سے؟''

''وہ میری جان تھی' بہت چاہا تھا میں نے اسے۔ میری کوئی بیٹی نہ تھی، بیٹیوں والے سارے ارمان میں نے اس پر ہی پورے کیے تھے اور وہ بھی مجھے صابرہ آپا سے زیادہ چاہتی تھی پھر نا معلوم کیسا عشق کا بخار چڑھا اسے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے ہم سب سے جدا کر گیا تھا۔'' ان کے لہجے میں ایک دم نمی اتر آئی اور صدیوں

کی تھکن بھی' ہار اسے دے کر وہ نڈھال سی ہو کر لیٹ گئیں۔

''شادی کے بعد رفعت نے کوئی رابطہ نہ رکھا پھر بھی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے آپا صابرہ اور اصغر سے چھپ کر اسے بہت تلاش کیا مگر اس کو نہ ملنا تھا نہ وہ ملی۔'' وہ گزرے وقت کو یاد کر کے رونے لگیں۔ جنت بھی دل پر بھاری بوجھ محسوس کر رہی تھی وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگی تھی۔

''محبت نے اسے کیا دیا؟ بغاوت کب سیدھی راہ دکھاتی ہے اس کا انجام بھی وہ ہوا جو ہر اس ذی نفس کا ہوتا ہے جو چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ کر بھاگتے ہیں اور پھر کھائیوں میں گر جاتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے تمہارے روپ میں دوبارہ اس سے مل رہی ہوں۔'' انہوں نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اندر آتے ابو بکر کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا کہ وہ کوریڈور سے ان کی باتیں سنتا آ رہا تھا پھر ان کو ایک دوسرے سے لپٹ کر روتے دیکھ کر بھسم ہوا۔

''کس قدر خراب عورت تھی وہ' جو مر کر بھی آپ کو آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے رہی۔'' نفرت ہی نفرت تھی لہجے میں۔

''ابو بکر..... شرم کرو کچھ' وہ بڑی تھیں تمہاری۔'' جنت اس کے قدموں کی چاپ سنتے ہی ان سے علیحدہ ہوئی تھی اس کی حالت ایسی ہی تھی جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو جبکہ اماں بی نے تنبیہہ کی تھی۔

''بڑی..... مائی فٹ' انہوں نے جو کیا وہ کرتے وقت شرم کی تھی انہوں نے۔''

''میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتی تھی مگر رفعت کو کچھ کہنے سے قبل خیال کیا کرو' یہ ان کی بیٹی ہے۔''

''اور آپ یہ جان کر بھی کہ کس ماں کی یہ بیٹی ہے' اس کو مجھ پر مسلط کر رہی ہیں۔'' وہ مار ڈالنے کی حد تک صاف گو تھا۔

''بیٹی جنت..... برا نہیں مانتا ابو بکر حواسوں میں ذرا کم ہی رہتا ہے۔ اچھے و برے، صحیح غلط کی تمیز کرنے کا شعور ابھی اجاگر نہیں ہوا ہے اس میں۔'' وہ بھی اس کی نانی تھیں بھڑکنے یا جذبات میں آنے کے بجائے تحمل سے کہہ رہی تھیں اور وہ گہرا سانس لے کر انہیں دیکھتا رہا۔

''میری شکل کیا دیکھ رہے ہو جنت کو ساتھ لے جا کر پسند کی شاپنگ کراؤ۔''

''یہ سب آپ کی مرضی و پسند سے ہو رہا ہے سو آپ ہی اپنے دل کے ارمان پورے کیجیے مجھے معاف ہی رکھیے پلیز۔'' وہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

ابو بکر کی شادی کی خبر اور انیکسی کی ڈیکوریشن نے ہارون کو ذہنی خلجان میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اس حد تک ذہنی و دماغی ابتری کا شکار ہو گیا تھا کہ اس نے بیڈ روم کی ہر چیز توڑ پھوڑ کر رکھ دی تھی۔ ادینہ سے جھگڑا کیا' نفیسہ' خالد کسی کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ اعصابی دباؤ کی زیادتی بے انتہا تھی۔ اس کا ہیجان اس تک

بڑھا تھا کہ اسے دماغی امراض کے ہسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا جہاں ایک ہفتہ ٹریٹمنٹ کے بعد وہ گھر آیا تھا۔ گھر آ کر چند دن وہ دواؤں کے زیر اثر زیادہ تر سوتے ہوئے یا غنودگی میں گزارا کرتا تھا اور جب مکمل ہوش میں ہوتا تو پھر ابوبکر کے حوالے سے ادینہ کو تنگ کیا کرتا تھا اور اس حد تک زچ کر دیتا کہ وہ زبان درازی پر مجبور ہو جاتی اور پھر وہ ہاتھ اٹھاتا' نتیجتاً گھر میں بے سکونی اور رونق مفقود ہو چکی تھی۔

سب اپنی جگہ پریشان وفکر مند تھے۔ کسی کو بھی اس مسئلے کا حل نظر نہیں آ رہا تھا ادینہ سانس لیتی مجسمہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کس طرح زندہ رہے؟ وہ خاموش رہتی تو ہارون الزام لگاتا وہ ابوبکر کی شادی کا سوگ منا رہی ہے۔ ہنستی تو اعتراض ہوتا اسے دھوکہ دے رہی ہے، مسکراتی تو چیختا وہ اس کا مضحکہ اڑا رہی ہے۔ نفیسہ بیگم بیٹے کی دیوانگی دیکھ کر ہک دہک تھیں۔ ہارون ابوبکر کی رقابت میں دن بدن ہوش وخرد سے بے گانہ ہوتا جا رہا تھا وہ خود خوش رہتا تھا نہ کسی کو رہنے دیتا تھا۔ اس ساری صورت حال نے انہیں جلد بستر سے لگا دیا تھا کیونکہ اولاد کا دکھ ہر دکھ سے بڑھ کر ہوا ہے پھر اولاد بھی وہ جس کی جا بے جا خواہش آرزوئیں وہ بچپن سے پوری کرتی آ رہی تھیں۔ اب بھی اس کے تمام دکھ لے کر اپنی ساری خوشیاں اسے دینا چاہتی تھیں اور وہ تھا کہ سب کے ساتھ ان کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا یہی غم ان کو گھائل کرنے لگا تھا۔

''خالد...... یہ بیٹھے بٹھائے ہم پر کیسی مصیبت آ گئی ہے نہ ہم سکون سے سو سکتے ہیں نہ جاگ سکتے ہیں' نہ کھا سکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں۔ ہارون کے رویوں میں دن بہ دن جارحانہ شدت آتی جا رہی ہے۔ دوائیں بھی اس پر اثر نہیں کر رہیں۔ وہ ہم سب کے لیے سزا بن کر رہ گیا ہے۔'' نفیسہ ابھی ہارون اور ادینہ کے درمیان ہونے والے جھگڑے کو نبٹا کر آئی تھیں' اپنے روم میں آتے ہی وہ اپنی جلتی آنکھوں پر قابو نہ پا سکی تھیں۔

''سزا...... ہارون سزا بن گیا ہے؟'' وہ قریب بیٹھ کر سنجیدگی سے بولے' تب نفیسہ ٹشو سے آنسو اور ناک صاف کرتی گردن ہلانے لگیں۔

''جانتی ہو بیگم...... سزا تب ملتی ہے جب کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے' کوئی بڑی غلطی ہو جاتی ہے اور احساس دلانے کے لیے سزا دی جاتی ہے۔

''اولاد سے محبت کرنا غلطی ہے...... بچوں سے پیار کرنا قصور ہے؟''

''محبت' نفرت' پیار' عداوت ہر جذبہ ایک حد تک ہی اچھا لگتا ہے۔ سمندر اپنی حد میں رہتا ہے تو خوب صورت لگتا ہے اگر کناروں سے باہر آ جائے تو طوفان بن کر تباہی پھیلا دیتا ہے۔ جن کو ہم صرف لینا سکھاتے ہیں وہ دینے کا ظرف کھو بیٹھتے ہیں۔ ہارون کے ساتھ بھی تم نے یہی معاملہ رکھا۔'' وہ کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

باہر پہاڑوں پر کہر طاری تھی' سارا دن وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی تھی۔ موسم میں خوشگواریت تھی

ہر سو ہریالی نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ کھڑکی میں کھڑا باہر دیکھ رہا تھا جب سے نانی جان نے اس کی شادی کا اعلان کیا تھا وہ اپنے اندر اضطراب کو پھیلتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ آج سے کچھ سال قبل وہ بھی عام مردوں کی طرح سوچا کرتا تھا' اپنی شریک سفر کے مطابق جو چہرہ اس نے شعوری طور پر تراشا تھا وہ اسے ادینہ کی صورت میں مل گیا تھا' ادینہ اس کی آئیڈیل تھی' بہت کم عرصے میں ان دونوں کے اندر ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی اگر ان میں اختلاف پیدا ہوتا تھا تو اس کی وجہ ادینہ کی وہ عادتیں تھیں جن میں بے صبرا پن' جلد بازی اور بے اعتباری پن شامل تھا نا معلوم کس نوعیت کی محبت وہ اس سے کرتی تھی کہ وہ ذرا بھی اس پر اعتبار نہ کرتی تھی بہت عجیب و نافہم محبت تھی۔

پہاڑوں پر چھائی دھند میں لپٹا اسے اپنا ماضی دکھائی دینے لگا۔ ہسپتال میں کئی بار ادینہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی اور ہر بار ناکامی ہوئی تھی پھر وہ گھر آ گیا تھا۔ زخم گہرے تھے جن کو مندمل ہونے میں بھی ایک عرصہ لگا تھا تین ماہ کی طویل مدت میں وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوا تھا اس میں نانی جان کی دعاؤں اور وظیفوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ تندرست ہوتے ہی سب سے پہلے اس کے پاس آیا تھا۔

''آ گئی آپ کو میری یاد' کہاں تھے اتنے دنوں تک؟''

اس سے ملنے وہ اس کے اپارٹمنٹ آیا اور والدین کی غیر موجودگی کے سبب وہ اسے ڈرائنگ روم میں بلا چکی تھی۔

''یہ مت پوچھو میں کہاں تھا' آج تم میرے سامنے ہو اور یہ میرے لیے سب سے اچھا وقت ہے۔ میں چاہتا ہوں تم میرے سامنے بیٹھی رہو اور میں تم کو دیکھتا رہوں...... دیکھتا رہوں۔'' اس کے لہجے میں محبت کی آنچ تھی لمحے بھر کو اس کا دل موم ہوا تھا پھر دوسرے لمحے ہی ہارون کی بتائی گئی باتیں یاد آنے لگیں۔

''اچھا نہیں پوچھتی' آپ کہاں تھے یہ تو بتائیں' وردہ کا کیا ہوا؟''

''ہونہہ...... ایسے اچھے موقع پر اس کا نام کیوں لے رہی ہو۔'' اس کی آنکھوں میں ناگواری جھلکنے لگی تھی۔

''مجھے بے وقوف مت بنائیں ابوبکر! میں سب جانتی ہوں اتنا عرصہ آپ نے کہاں اور کس کے ساتھ گزارا؟ یہاں مجھے انتظار کی سولی پر چڑھا کر خود وردہ کے ساتھ ٹائم اسپنڈ کرتے رہے۔'' وہ ایک دم کسی بم کی مانند بلاسٹ ہوئی تھی۔

''وردہ کے ساتھ ٹائم اسپنڈ کرتا رہا' کیا بکواس کر رہی ہو؟ یہ سب کس نے کہا تم سے؟'' وہ حیرانی سے گویا ہوا تھا۔

''کسی نے بھی کہا ہو آپ یہ بتائیں' سچ ہے یا جھوٹ ہے؟''

''جھوٹ ہے...... سفید جھوٹ۔''

''پھر آپ کہاں تھے؟'' وہ بپھری ہوئی تھی۔

''میں تمہارے آگے صفائی پیش نہیں کروں گا۔''

''اگر تم سچے ہو تو صفائی پیش کرو' گھبرا کیوں رہے ہو؟''

''ادینہ.....ٹو مچ' حقیقت تمہیں معلوم نہیں مت بحث کرو۔'' وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی کھڑی ہوگئی تھی۔

''مجھے معلوم تھا تمہارا رویہ ایسا ہی ہوگا' تم جاؤ یہاں سے۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ اس سے ملنے کی تڑپ میں بھاگا بھاگا وہاں آیا تھا اور اس کا بدصورت رویہ اور وہی بے اعتباری سے بھرپور انداز تھا۔ اس سے ملاقات کی خوشی جھاگ کی مانند بیٹھ گئی تھی۔ ڈھائی تین ماہ جو تکلیف میں گزرے تھے اس کی تکلیف دو چند ہوگئی تھی۔ وہ وہاں سے چلا آیا اور اپنے روم کی طرف جا رہا تھا جب مسکراتا ہوا ہارون سامنے آ گیا۔

''کیا ادینہ سے لڑائی ہوگئی ہے؟'' بڑا کاٹ دار انداز تھا۔

''تمہیں کیسے پتا کہ میں اس سے مل کر آ رہا ہوں؟'' وہ چونکا تھا۔

''وہ..... میں نے تمہیں بڑی خوشی خوشی جاتے دیکھا تھا' میں اس وقت ہی سمجھ گیا تھا کہ ادینہ سے ملنے جا رہے ہو، کیونکہ اس سے ملتے وقت تمہارا چہرہ چمک اٹھتا ہے۔'' ہارون نے اپنی گھبراہٹ پر تیزی سے قابو پایا تھا' ابوبکر جو اس کے سوال پر چونکا تھا اس کے انداز پر مطمئن ہوگیا۔

''اب تمہیں منہ لٹکائے واپس آتے دیکھ کر صاف لگ رہا ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس سے تمہارے دل کو ٹھیس پہنچی ہے' ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟'' اس نے کچھ نہیں کہا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

''ابوبکر..... ابوبکر..... بیٹے!'' اماں بی کی آواز اسے ماضی سے حال میں کھینچ لائی تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا وہ اندر داخل ہو رہی تھیں۔

''خیریت ہے نانی جان! آپ نے کیوں زحمت کی، مجھے بلا لیا ہوتا۔''

''بات ہی ایسی ہے کہ مجھے خود آنا مناسب لگا۔'' وہ اس کا سہارا لے کر بیڈ پر بیٹھتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

''کیا بات ہے آپ ڈسٹرب لگ رہی ہیں؟'' وہ قریب بیٹھ گیا۔

''جنت کے والد کی طبیعت بگڑ گئی ہے' ہسپتال سے اس کی ماں کا فون آیا تھا' میں نے ڈرائیور کے ہمراہ جنت کو وہاں بھیج دیا ہے۔''

''شادی سر پر ہے اور ایسے میں اکبر کا شدید بیمار پڑنا' مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ کروں تو کیا کروں؟'' وہ سخت متفکر تھیں۔

''نانی جان..... آپ کو کسی کی خاطر اسٹریس لینے کی ضرورت نہیں ہے میں کہتا ہوں' ابھی بھی سوچ لیں آپ، میں ویسے ہی اس رشتے کے خلاف ہوں۔'' ان کی گھورتی نگاہوں نے اسے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کا بازو شانوں سے جھٹک کر سرد مہری سے کہنے لگیں۔

''میں اکبر سے وعدہ کر چکی ہوں جنت کو اپنی بہو بنانے کا' اس بے سہارا بچی کو سہارا دینے کا۔ اگر تم تیار نہیں ہو تو میں مر سکتی ہوں مگر وعدہ خلافی کسی صورت نہیں کروں گی۔''

''سوری نانی جان..... میں نے آپ کے جذبات مجروح کیے۔''

گاڑی نکالو اور میرے ساتھ چلو ہمیں بھی عیادت کے لیے جانا چاہیے۔'' مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ ان کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔ پوری دنیا میں واحد ہستی وہ ہی تھیں جو اسے دل و جان سے عزیز تھیں وہ ان سے وقتی طور پر خفا ہو سکتا تھا' مگر حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا اکبر کی حالت سیریس تھی۔ جنت نے رو رو کر حالت خراب کر رکھی تھیں شریفہ کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ خاصی بجھی بجھی و پریشان تھی اماں بی نے جنت کو سینے سے لگایا ساتھ ہی شریفہ کو بھی تسلی دی تھی۔

وہ کوریڈور میں موجود تھے اندر اکبر کے پاس ڈاکٹر موجود تھے وہ عجیب بے بسی و تکلیف کے عالم میں تھا۔ اس کی نگاہیں ڈاکٹرز سے گفتگو کرتے ہوئے ابوبکر کے وجیہہ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ گرے پینٹ اور بلو شرٹ میں مہذب انداز میں گفتگو وہ متاثر کن شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔

تیرا آخری وقت چل رہا ہے اکبر! ساری زندگی تو نے جنت سے بے پروائی برتی ہے۔ اسکو اپنی محبت سے محروم رکھا ہے' یہ لڑکا اس کی زندگی میں آ جائے گا تو میری جنت کی ساری محرومی دور ہو جائے گی۔ پیسہ ہر کمی کو دور کر دیتا ہے' ہر دکھ کو بھلا دیتا ہے۔ میں جاتے جاتے اپنی بیٹی کے آنچل میں خوشیوں کے پھول کیوں نہ بھر جاؤں' کہیں ایسا نہ ہو کسی کے بہکاوے میں آ کر ابوبکر جنت کو اپنانے سے انکار کر دے اور میری بیٹی پھر در در کی ہو کر رہ جائے۔ نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ یک ٹک ابوبکر کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا' آنسو بے آواز آنکھوں کے گوشوں سے بہہ کر سفید تکیے میں جذب ہو رہے تھے' اس کی حالت مزید بگڑنے لگی تھی۔

اماں بی اور ابوبکر سے جو آخری خواہش اس نے ہاتھ جوڑ کر کی تھی وہ ابھی اس کے سامنے ان دونوں کے نکاح کی تھی۔ اماں بی کی دلی خواہش پوری ہو رہی تھی' انہیں انکار ہی نہ تھا۔ ابوبکر جو عام حالات میں کبھی یہ بات ماننے والا نہ تھا۔ اس مرتے ہوئے شخص کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں حسرت و آس کے جلتے بجھتے دیوں نے اس جیسے سنگ دل شخص کے دل کو بھی کچھ موم کر ڈالا تھا۔

ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں اکھڑی سانسوں اور بند ہوئی آنکھوں نے بیٹی کو سہاگن دیکھ کر سکون سے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ہارون نے بے حد خوش تھا۔ ابوبکر اور ادینہ کے درمیان فاصلے اسی طرح طول پکڑنے لگے تھے جس طرح وہ چاہتا تھا۔ محبت میں ایک فریق دوسرے پر اعتماد و اعتبار بہت زیادہ کرتا ہے یا بالکل بھی نہیں کرتا۔ ادینہ بھی محبت میں ایسی اندھی تھی وہ ابوبکر سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی مگر بے اعتباری اس کی سرشت میں شامل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ابوبکر کے سچ کو جھوٹ اور ہارون کے جھوٹ کو سچ سمجھتی اس سے دور اور ہارون کے قریب ہوگئی اور ہارون اسے مٹھی میں دبوچنے کے ہر گُر سے آشنا تھا پھر وہ ہمیشہ سے ابوبکر سے مقابلہ کرتا رہا تھا۔ دوستی کی آڑ میں اس سے دشمنی کرتا رہا تھا اور یہاں اس کا ساتھ دینے والی نفیسہ بیگم تھیں' وہ ان کی سب سے بڑی اولاد تھا بہت پیار کرتی تھیں وہ اس سے اور ان کی خواہش تھی وہ سب گھر والوں کا ایسا ہی لاڈلا اور چہیتا بن جائے مگر وہ جھگڑالو' بدتمیز ہونے کے باعث ایسی ویلیو نہ بنا سکا تھا جو ابوبکر کی تھی کیونکہ وہ ماں اور باپ کی محرومی کے باوجود بہت لائق، ذہین وخوش اخلاق بچہ تھا۔ پڑھائی اور اسپورٹس میں وہ نمایاں رہا کرتا تھا۔ نفیسہ بیگم نے شروع سے منافقانہ رویہ رکھا تھا سب کے سامنے وہ ابوبکر سے پیار و محبت سے پیش آتی تھیں۔ درحقیقت وہ اس کے خلاف تھیں، ان کا کہنا تھا اماں بی گھر کے سارے بچوں کا حق تنہا ابوبکر کو دے رہی ہیں جو کسی طور بھی معافی کے لائق نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہارون کی اس کے خلاف زیادتیوں اور غلطیوں کو دیکھ کر بھی اسے سرزنش کرنے کے بجائے نظرانداز کردیا کرتی تھیں۔ ان کے اور ہارون کے تعلقات ابھی تک دوستانہ و مضبوط تھے وہ ان سے ہر بات ابھی بھی شیئر کیا کرتا تھا اور وہ حوصلہ افزائی کرتی تھیں وہ بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔

ادینہ اور ابوبکر کے درمیان پھیلتی ہوئی چپقلش پر وہ ان سے بیٹھا گفتگو کر رہا تھا' نفیسہ نے بتایا کہ وردہ آئی ہے اور اماں بی نے یہی کہا تھا وہ ابوبکر کو سمجھنے کو پوری سعی کریں گی تاکہ وہ وردہ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔

''آپ کا کیا خیال ہے وہ راضی ہوجائے گا' وردہ سے شادی کرنے کے لیے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتی ویسے وہ آج کل خاصا ڈسٹرب لگ رہا ہے۔

''ڈسٹرب تو ہوگا مما! اس کی محبت جو ہاتھوں سے جارہی ہے۔'' ہارون کے انداز میں عجیب سی سرخوشی تھی۔

''آپ بھی کہاں اس کا تھوکا ہوا چاٹنے جارہے ہیں بیٹا!''

''ارے کیسی بات کررہی ہیں مما! وہ اسے تھوکنا کہاں' نگلنا چاہتا ہے۔ بڑے دل سے اس نے ادینہ سے محبت کی ہے۔''

''رات گہری ہورہی ہے آپ بھی سونے جاؤ' میں بھی جارہی ہوں۔'' بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی معاً فضا نسوانی چیخوں سے گونج اٹھی تھی وہ دونوں ہی گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''الٰہی خیر..... یہ..... یہ وردہ کی چیخوں کی آواز ہے۔''

''جی بالکل! لیکن ابوبکر کے بیڈ روم کی طرف سے آرہی ہے۔'' لمحوں میں سب ہی جاگ گئے تھے

رباب اور خالد سب سے آگے تھے احسان صاحب بھی چشمہ درست کرتے پیچھے آرہے تھے۔

''وردہ یہ کیا ہوگیا..... وردہ.....؟'' رباب کی آواز چیخ بن کر نکلی تھی' نہوں نے بھاگ کر گرم شال اپنے شانوں سے اتار کر اس کے جسم پر ڈالی تھی' وردہ کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔

''آپی..... آپی ابوبکر نے.....'' وہ اس سے لپٹ کر رو پڑی تھی' وہاں ایک دم سناٹا چھا گیا تھا صرف وردہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ اسی پل وہ بھی دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا بدحواسی چہرے سے عیاں تھی۔ روتی بلکتی وردہ پر سے نگاہیں ہٹ کر اس کے چہرے پر مرکوز ہوئی تھیں اور اسی ساعت اماں بی بھی وہاں پہنچ گئی تھیں۔

''یہ آدھی رات کو کیا تماشا ہورہا ہے گھر میں۔'' وہ بولتے ہوئے قریب آئی اور وردہ کو روتے ہوئے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکی تھیں۔

''ارے کیا ہوا' یہ کیوں رو رہی ہے اور تم سب کیوں خاموش ہو؟''

''اماں بی! آپ کے اس لاڈلے نے ہمیں بولنے کے قابل کہاں چھوڑا ہے' کالک مل دی ہے اس بچی کے مستقبل کے ساتھ ساتھ ہمارے چہروں پر بھی۔'' خالد نے آگے بڑھ کر ابوبکر کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔

''کیا کیا ہے اس نے؟'' وہ ہک دک رہ گئی تھیں۔

''ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا اس نے میری کنواری بہن کے تقدس کو پامال کردیا اس وحشی نے۔ ہم پر قیامت توڑ دی ہے ہم تباہ وہ برباد ہوگئے ہیں۔'' رباب وردہ سے زیادہ بلند آواز میں رونے لگی تھیں۔

''ہوش سے کام لو تم لوگ' ابھی سرونٹ کوارٹرز سے ملازم یہاں آجائیں گے آوازیں دور دور تک جارہی ہیں۔ اور نوکروں کو کوئی بات پتا ہونے کا مطلب ہے کہ سب کو معلوم ہوجانا' گھر کی بات ابھی گھر میں ہی ہے اماں بی کے کمرے میں چلیں وہاں جاکر فیصلہ ہوگا۔'' احسان صاحب نے بردباری سے کہتے ہوئے خالد کے ہاتھوں سے ابوبکر کا گریبان چھڑایا اور حیران و پریشان کھڑی اماں بی کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں آگئے تھے۔ اماں بی پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہاں دروازے کے قریب مجرم کی مانند سر جھکائے کھڑے ابوبکر کو دیکھ رہی تھیں اور ایسی ہی بے یقینی و حیرانی وہاں موجود ہارون کی نگاہوں میں بھی تھی جبکہ نفیسہ بیگم بھی ان کے پاس بیٹھ گئی تھیں، خالد ابوبکر کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے غصے سے احسان صاحب سے مخاطب ہوئے تھے۔

''جو نیچ حرکت اس خبیث نے کی ہے اس خباثت کے باعث ان کا اس گھر میں رہنے کا حق ختم ہو چکا ہے۔ میرا تو دل اسے گولی مارنے کو کررہا ہے۔''

''ماردیں اس ذلیل کو گولی، یہ اسی قابل ہے۔ اس کی ماں مرچکی ہے اور بہن کوئی ہے نہیں جو اسے دوسروں کی بہنوں کی عزت کا خیال ہو۔ شادی سے فوراً ہی انکار کردیا تھا پھر کیوں ہوس کا شکار بنایا میری معصوم و بے گناہ بہن کو۔'' رباب ابوبکر کو گھورتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

''بات ابھی بھی ہمارے اختیار میں ہے ہم اس ہفتے میں ہی ان کی شادی کردیتے ہیں ابوبکر سے ہی

ہوگئی ہے۔'' احسان صاحب نے بات بڑھتی دیکھ کر مسئلہ کا حل پیش کیا تھا۔

''ایک بار میرے بچے سے بھی معلوم کرو' جو یہ لڑکی کہہ رہی ہے وہ سچ بھی ہے یا نہیں؟'' اماں بھی امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی تھیں جو مسلسل نگاہیں جھکائے کھڑا تھا۔

''واہ بھئی واہ' کیا خوب انصاف ہے اماں بی آپ کا؟ میری بہن کی حالت' اس کے آنسو' اس کے پھٹے ہوئے کپڑے کچھ بھی آپ کو دکھائی نہیں دے رہا۔ کچھ تو خیال کریں آپ یہ آپ کی پوتی نہیں ہے مگر پوتی کی عمر کی ضرور ہے اس کی جگہ آپ کی کوئی پوتی ہوتی پھر بھی آپ یہی فرمائیں؟ کیا کوئی لڑکی اپنی عزت کا تماشہ بنانے کا تصور بھی کرسکتی ہے؟ کیا سوچ کر آپ نے وردہ کے متعلق ایسی بات کی ہے؟ کیا سمجھا ہے آپ نے۔'' رباب کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی وہ کف اڑا رہی تھیں۔

''کول ڈاؤن آنٹی! پلیز اتنا ہائپر نہ ہوں آپ۔'' ہارون نے آگے بڑھ کر انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

''ابوبکر! تمہاری یہ خاموشی گواہ ہے تمہارے جرم کی، تمہیں اب ہر حال میں وردہ کو اپنی شریک حیات بنانا ہے تمہارے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے پرسوں جمعہ کا مبارک دن ہے اور اسی دن ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری اور وردہ کی شادی کر دی جائے گی۔''

''مجھے آپ کے فیصلے سے انکار ہے۔'' اس نے بہت اطمینان سے کہا۔

''دیکھا..... دیکھا کس قدر بے غیرت انسان ہے یہ۔''

''رباب..... تم چپ کرو۔'' خالد پر طیش لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''اور تم.....؟'' وہ جارحانہ انداز میں ابوبکر کی طرف بڑھے۔

''ابھی اور اسی وقت اپنی منحوس صورت لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ' زندگی بھر یہاں پلٹ کر نہیں آنا۔ اس گھر میں بیٹیاں موجود ہیں اور تم اس قابل نہیں ہو کہ بہن و بیٹیوں والے گھر میں رہ سکو۔'' خالد نے اسے وہاں سے دھکے دیتے ہوئے نکالا تھا' وہ بھی بنا کچھ لیے وہاں سے چلا گیا تھا۔ اماں بی زاروقطار رونے لگی تھیں۔

''اس گھر میں اس کے لیے اب کوئی جگہ نہیں ہے' وہ مر گیا ہے آج سے ہمارے لیے۔'' خالد اماں بی کے پاس آ کر گویا ہوئے تھے۔

''اس کے مرنے جینے سے کیا ہوتا ہے؟ تباہ تو میری بہن ہوئی ہے میرے والدین پہلے ہی نہیں ہیں' کیا ہوگا میری بہن کا اب؟'' وردہ کی سسکیاں' رباب کے بین کم نہ ہو کر دے رہے تھے۔

کئی دنوں تک اس واقعے کا چرچا ان لوگوں کی زبان پر رہا تھا ابوبکر نے فون کے ذریعے اماں بی سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ گھر میں نہ اسے بلایا گیا نہ اس نے خود آنے کی سعی کی تھی۔ نانی کے علاوہ اسے کسی کی پروا نہ تھی لیکن نانی اس کی جدائی کا درد زیادہ عرصہ برداشت نہیں کرسکی تھیں اور بار بار ہاسپٹلائز ہونے کے باعث وہ سب پریشان ہو گئے تھے کیونکہ ان کی بیماری کا براہ راست تعلق ابوبکر کی جدائی سے تھا پھر ان سب کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا

کہ ابوبکر کو گھر آنے کی اجازت دے دی جائے مگر اس کے باوجود اس کو صرف انیکسی تک ہی محدود کر دیا جائے۔ گھر کے اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ انیکسی کا ایک راستہ باہر گیٹ سے ملحقہ تھا اور دوسرا اندر اماں بی کے کمرے تک جاتا تھا اور اس کو یہ اجازت دے دی گئی تھی۔ وہ بیرونی راستے سے اماں بی کے کمرے تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ اس عرصے میں نامعلوم کس طرح ہارون نے ادینہ کے دل تک رسائی کر لی تھی' وہ اسے ابوبکر کی گھناؤنی حرکت کا بتا چکا تھا۔

پھر سب کچھ سہل ہوتا چلا گیا چند دنوں میں ہی ادینہ..... ادینہ ہارون بن کر اس گھر میں آ گئی تھی اور یہ اس دوست نما دشمن کی سب سے بڑی جیت تھی۔ ابوبکر نے کہا تھا وہ ادینہ کو اس سے چھین نہیں سکتا اور اس نے اسے چھین کر دکھایا تھا اور یہاں بھی اس کے دل کو قرار نہیں ملا تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ بانہوں میں بانہیں ڈالے لان میں گھوما کرتا تھا۔ ان کے قہقہے، ان کی شوخیاں ہر سو گونجا کرتی تھیں' ادینہ بھی اپنے ہر جائی محبوب سے بدلہ لینے کے لیے اس کا بھرپور ساتھ دیتی تھی۔ اماں بی کی خراب صحت کے باعث ابوبکر وہاں رہنے پر مجبور تھا لیکن وہاں رہنا اسے انگاروں پر چلنے کے مترادف لگا کرتا تھا اور اماں کے صحت یاب ہوتے ہی وہ آوارہ گرد بن گیا تھا۔

گھر میں مہمانوں کی مانند آنے لگا تھا' ہارون کو جتنا اس کھیل میں مزہ آتا تھا' اب کاتب تقدیر نے مزہ کو سزا بنا دیا تھا۔ شروع سے ابوبکر کو ہرانے کا جو چسکا پڑ گیا تھا' وہ اب دیوانگی میں بدلنے لگا تھا۔ پرسکون زندگی سکون کو ترسنے لگی تھی' کل جس ادینہ کو پانے کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا۔ آج وہ ہی ادینہ بے وفا لگتی تھی' نفیسہ ماں تھیں اور اولاد کی معمولی سی تکلیف ویسے ہی ماں کو بے چین کر ڈالتی ہے یہاں ان کی تکلیف حد سے سوا تھی کہ ہارون ذہنی مریض بن گیا تھا ایک ایسا نفسیاتی مریض جو خود تو بے سکون و بے چین تھا ہی ساتھ میں گھر والوں کو بھی اس نے پریشان کر رکھا تھا۔ آج بھی ادینہ سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور اس حد تک لڑائی ہوئی تھی کہ اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا ادینہ دن بہ دن اس کے ٹارچر کا شکار ہونے پر گھر چھوڑ کر میکے چلی گئی تھی۔

''ممی! میں اس عورت کو طلاق دے دوں گا وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے بیوی میری ہے وہ اور یادوں میں اس کی رہتی ہے۔'' اس کے جانے کے بعد بھی ہارون کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

''ابوبکر..... ابوبکر کسی آسیب کی مانند تم سے چمٹ کر رہ گیا ہے یہ نام' زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے ہم سب کی' تم اس کو بھول کیوں نہیں جاتے؟ کب تک خود بھی پریشان رہو گے اور ہمیں بھی رکھو گے۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔

''سب آپ کی وجہ سے ہے ممی! اس سب کی آپ ہی ذمہ دار ہیں۔'' ہارون کے انداز میں عجیب آنچ تھی' چبھتی' کاٹتی جھلساتی ہوئی۔

''میری وجہ سے..... کیا..... کیا ہے میں نے ایسا؟''

وہ تپیں۔

''آپ نے شروع سے ہی ابوبکر سے دشمنی کی اور آپ کی دشمنی میری اور ابوبکر کی دوستی میں دراڑیں ڈالتی گئی اور وہ مجھے اپنا دوست نہیں دشمن نظر آنے لگا۔'' وہ بے گانہ نگاہوں سے انہیں گھور رہا تھا۔

''اچھا' کروخود اور نام مجھ پر لگاؤ' واہ بھئی۔ اب یہ بھی کہہ دینا تمہارے اور ادینہ کے درمیان جھگڑے بھی میں کروا رہی ہوں' میرا تو کام یہی ہے نا۔'' بیٹے کا انداز ان کو ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

''آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے۔'' وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اکبر کو اس جہاں سے گزرے دو ماہ ہو چکے تھے اس دوران صدف ایک بیٹی کی ماں بن گئی تھی۔ ماں بیٹی کا رویہ جنت کے ساتھ بالکل بدل گیا تھا۔ وہ بھی باپ کی جدائی کے غم میں ڈوبی ہوئی تھی جس نے ساری زندگی اس کو اپنی محبت کی چھاؤں سے دور رکھا تھا اور جب اس کی شفقت کا بادل اس پر برسنے لگا تو موت جدائی بن کر ان کے درمیان حائل ہو گئی تھی وہ پورا ہفتہ اماں بھی روز چکر لگاتی رہی تھیں۔

اس کی دل جوئی میں بھی انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور ساتھ ہی شریفہ کو بھی یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ وہ فکر نہ کرے' ہر ماہ اسے سیلری اسی طرح ملے گی بلکہ پہلے سے بڑھ کر کیونکہ اس کے سر پر بیوگی کی چادر آ گئی ہے اور اس کی کوئی اولاد نرینہ بھی نہ ہے۔

''بیگم صاحبہ! کیا ابھی بھی جنت آپ کی نوکری کرے گی؟'' شریفہ کے لہجے میں الجھن تھی' وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔

''نہیں نہیں..... نوکر تو میں نے اسے کبھی بھی نہیں سمجھا تھا اور اب تو تقدیر نے اسے اس کی اصل جگہ دلوادی ہے' وہ میرے آنگن کا چاند ہے اور بھلا چاند کی چاندنی کی بھی کوئی قیمت دے سکتا ہے؟'' ان کی بات شریفہ کے پلے نہ پڑی تھی مگر اس کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ وہ اس کو پیسے دینے کو تیار تھیں خواہ ترس کھا کر یا بیوگی کا خیال کر کے۔

ابوبکر سے نکاح ہونے کے بعد ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی وہ ایک ہفتہ اپنے باپ کے گھر رہی تھی اور جس دن وہ اپنے گھر لوٹ کر آئی اس ہی صبح اس کے آنے سے قبل وہ کاروباری دورے پر سنگاپور چلا گیا تھا۔

آج اس کی واپسی تھی اماں بی نے اس کے ہاتھوں پر مہندی لگوائی تھی ایک شوخ رنگ کا سوٹ زیب تن کرنے کو دیا تھا' جڑاؤ نیکلس اور جھمکیاں اور طلائی چوڑیاں اسے پہننے کو دی تھیں۔

وہ بری طرح پزل ہو رہی تھی سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ سب پہن کر وہ ابوبکر کا سامنا کس طرح کرے گی؟ نکاح بڑے غمگین ماحول میں ہوا تھا پھر باپ کی موت نے دل کو ایسے دکھ سے بھر دیا کہ وہ کئی ہفتوں تک اپنی بدلتی زندگی کے روپ کو پہچان ہی نہ سکی تھی پھر اماں بی کی باتیں ان کے ارمان و خواہشوں نے رفتہ رفتہ یہ باور

کرانا شروع کیا وہ اب تنہا نہیں رہی ہے کسی کی زندگی میں شامل ہو گئی ہے اور یہ احساس آہستہ آہستہ اس کی دھڑکنوں میں دھڑکنے لگا۔ ایک خوشگوار یت رگ و پے میں سرایت کرنے لگی تھی کہ وہ بھی ایک معتبر ہستی بن گئی ہے۔ کل تک وہ نصیب کی ٹھوکروں پر تھی اور اب وہ ہی نصیب بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔

''ارے بیٹی! میں جانتی ہوں ابھی تک تمہارا دل باپ کی جدائی سے بوجھل ہے پھر کوئی رسم بھی ادا نہیں ہو سکی جو اس نئے رشتے کے حوالے سے تم کو کوئی خوشی ملتی۔'' سبز کا ہی کلر کے چمکتے دمکتے سوٹ میں طلائی زیورات اور سادی چوٹی میں اس کا حسن کسی نوخیز کلی کی مانند لگ رہ تھا۔ اعلیٰ لباس اور عمدہ جیولری میں اس پر خوب روپ چڑھا تھا پھر ان کے اصرار پر اس نے ہلکا میک اپ کیا تو خوشی سے بلائیں لینے لگی تھیں۔

''اماں بی ..... ایک بات کہوں آپ برا تو نہیں مانیں گی؟'' جنت نے ڈرتے ڈرتے ان سے پوچھا تھا۔

''ہاں ہاں..... ایک نہیں ہزار باتیں پوچھو۔''

''مجھے..... یہ سب اچھا نہیں لگ رہا.....''

''کیا اچھا نہیں لگ رہا ہے' یہ تیار ہونا؟'' وہ متعجب ہوئیں۔

''جی' وہ کیا سوچیں گے مجھے اس طرح بنا سنورا دیکھ کر۔''

''ارے وہ اچھا ہی سوچے گا' اسے خیال آئے گا ابھی چھڑا چھانٹ نہیں رہا' بیوی والا ہو گیا ہے۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔ وہ گردن جھکا کر خاموش ہو گئی اب کیا بتاتی وہ روز کال کر کے ان سے بات کرتا تھا کبھی وہ سو رہی ہوتیں تو مجبوراً اس سے ان کی خیریت دریافت کیا کرتا مگر بھول کر بھی کبھی اس کے متعلق نہیں پوچھا تھا' مرونا بھی حال احوال دریافت نہ کیا تھا۔ ہر بار وہ ہی پہلے جیسا سرد اور سپاٹ لہجہ تھا جس رشتے نے اس کے دل کی حالت بدل دی تھی' اس رشتے نے اس پتھر کو چھوا بھی نہ تھا۔

رات گئے وہ آیا تھا خوشبوؤں میں بسا کئی منٹ تک اماں بی کے سینے لگا بیٹھا رہا۔ اس پر ایک نگاہ بھی ڈالنا گوارہ نہ کی تھی حالانکہ اماں بی بہانے بہانے سے اسے جنت کی طرف راغب کرنے کی سعی میں مگن رہی تھیں نہ جانے وہ سمجھا نہ تھا یا سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کا ڈھونگ کر رہا تھا۔

''وقت بہت ہو گیا ہے اب تم بھی اپنے روم میں جاؤ آرام کرو۔'' کھانے کے بعد کافی ان کے کمرے میں ہی پی گئی تھی، اماں بی نے لیٹتے ہوئے کہا۔

''اتنی جلدی نانی جان..... میں تو بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں آپ سے' اتنے عرصے بعد ہم مل رہے ہیں۔'' معاً چونک کر استفسار کرنے لگا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کیسا فیل کر رہی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! ذرا ذرا سی بات پر بچوں کی طرح گھبرایا نہیں کرو' بڑھاپا ہے میرا اس عمر میں

طبیعت آرام کرنا چاہتی ہے اور کوئی بات نہیں۔''

''ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے آپ کی عمر کی عورتیں بہت ایکٹیو رہتی ہیں اور آپ نے خود کو بوڑھا کہہ کہہ کر بیمار کر ڈالا ہے۔''

''یہ تمہاری محبت ہے بیٹا..... ورنہ حقیقت یہی ہے عمر کے آخری دور میں داخل ہوگئی ہوں اور رہا سوال ان عورتوں کا جو عمر چھپانے کے لیے الٹی سیدھی حرکتوں میں خود کو ہلکان رکھتی ہیں لیکن عمر سے کوئی نہیں جیت سکتا پھر خود کو تھکانے سے کیا فائدہ۔'' وہ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھر کر گویا ہوئی تھیں۔

''چلیں آپ آرام کیجیے پھر ہم صبح ہی ملیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''جنت .....تم بھی جا کر آرام کرو بیٹی' میں اب سوؤں گی۔'' وہ خاموش بیٹھی جنت سے مخاطب ہوئیں۔

''ابوبکر..... جنت کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔''

''کہاں لے کر جاؤں؟'' اس کو گویا چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ لگا' وہ پلٹ کر گویا ہوا۔

''اپنے روم میں لے کر جاؤ اور کہاں لے کر جاؤ گے۔'' وہ دانستہ شوخ لہجے میں گویا ہوئی تھیں مگر اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جنت کو مگو کی حالت میں کھڑی تھی۔

''میں اپنے روم میں کیوں لے کر جاؤں گا اسے؟''

''اتنے نادان مت بنو ابوبکر..... اس سے تمہارا نکاح ہوا ہے' بیوی ہے یہ تمہاری، ذمہ داری نبھاؤ اپنی جو تم پر عائد ہوئی ہے۔''

''میں نے آپ کے کہنے سے نکاح کیا ہے اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ..... آپ اسے زبردستی میرے سر پر سوار کریں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بے زاری سے گویا ہوا۔

''چلو دل سے نہ سہی میرا دل رکھنے کے لیے ہی تم نے اس بچی کو اپنی زندگی میں شامل کیا ہے تو اب یہ گلے میں پڑا ڈھول تمہیں بجانا ہی پڑے گا۔'' وہ بھی اس کی نانی تھیں ضد و ہٹ دھرمی میں اس کے ہم قدم اور ہمسفر۔

''سوری نانی جان..... میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''

وہ کہہ کر رکا نہیں باہر چلا گیا۔ گہرا سکوت ماحول پر چھا گیا' اماں بی اس کے پیچھے بند دروازہ کو دیکھ رہی تھیں اور وہ نگاہ ہی نہ اٹھا سکی تھی۔

''بیٹی جنت..... ادھر آؤ میرے پاس۔'' انہوں نے بڑی محبت سے اسے پکارا اور قریب آنے پر لپٹا کر شفقت سے سمجھانے لگیں۔

''مجھے معلوم ہے تمہارے دل کی بڑی ٹھیس لگی ہوگی' کوئی بھی عورت خود کو ٹھکرائے جانا برداشت نہیں

کرتی۔ وہ ابھی تمہیں ٹھکرا کر چلا گیا اور اس بات سے قطع نظر کہ میں اس کی نانی ہوں بحیثیت ایک عورت میری انا بھی بڑی مجروح ہوئی ہے اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو یقیناً میں بھی ایسے مرد کی طرف مڑ کر دیکھنا گوارا نہ کرتی مگر.....'' ضبط کے باوجود رونے لگی۔

''یہاں معاملہ مختلف ہے' ابوبکر کسی ضد و انا کی خاطر تمہیں نہیں ٹھکرا رہا' وہ ان چیزوں سے واقف بھی نہیں ہے ضد، انا خود پرستی میں وہ کبھی مبتلا نہیں رہا ہے بس کبھی زندگی میں ایسے حادثات نمودار ہوتے ہیں کہ وہ انسان بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ خیر اس کے ساتھ کیا ہوا وہ کہانی میں تمہیں بعد میں سناؤں گی۔ تمہیں رونے کی ضرورت نہیں میرے ساتھ چلو۔'' وہ اس کے آنسو پونچھ کر دھیرے سے بیڈ سے اٹھنے لگیں۔

''کہاں..... کہاں لے کر جا رہی ہیں آپ مجھے؟'' وہ سراسیمہ ہوئی۔

''اس نالائق کے بیڈ روم میں اور کہاں لے کر جاؤں گی۔''

''لیکن..... وہ منع کر گئے ہیں۔'

''اس کے منع کرنے سے کیا ہوتا ہے؟''

''پلیز اماں بی..... آپ کو معلوم ہے ان کا غصہ خطرناک کتنا ہے۔'' وہ سخت خوف زدہ و حواس باختہ ہوئی تھی۔

''اس کے غصے سے مت ڈرو' تم نے ابھی میرا غصہ نہیں دیکھا چلو آؤ' دیکھتی ہوں اس کو بہت کر لی اپنی من مانی اس نے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ اماں بی کو منع کر کے آ گیا تھا مگر بے چینی بے قراری خون کی روانی میں پھیلتی چلی گئی تھی۔ اس نے اپنے اوپر جو سرد مہری و بے گانگی کا خول چڑھا رکھا تھا وہ اب چٹخنے لگا تھا اور ماضی کی دھند پوری طرح اسے اپنی گرفت میں لینے لگی تھی۔ وہ جو آج ایک کرخت و سرد مزاج شخص بن کر رہ گیا تھا جس کو نہ کسی کے دکھ سے غرض تھی نہ کسی کی خوشیوں سے سروکار تھا جو بے حس و بے درد بن کر رہ گیا تھا۔ وہ بہت شوخ و شنگ' باغ و بہار طبیعت کا مالک تھا کسی کی دل آزاری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے موم جیسے دل کو پتھر بنانے والی لڑکی تھی ادینہ..... اس کی پہلی محبت، پہلی چاہت..... ایک اتفاقیہ ملاقات اسے زندگی کا حاصل محسوس ہوئی تھی پھر بلا سوچے سمجھے وہ اس پیار کے ساگر میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ ساحل پر آ کر معلوم ہوا اصل ابوبکر تو ڈوب چکا ہے چاہت کے بجائے فریب اور بے اعتباری کی زور آور لہروں نے اسے تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تھا۔ اس کو شکست کسی اور نے نہیں اس کی محبت نے دی تھی۔ وہ لڑکی جس کی چاہ میں وہ دنیا سے ٹکرانے کا عزم کر بیٹھا تھا جس کو پانے کی جستجو میں اس نے نانی جان جیسی عزیز ہستی کی پروانہ کی تھی۔ رباب ممانی کی سالوں پر محیط رفاقت کو ٹھوکر مار دی تھی اور بدلے میں اسے بھی ٹھوکر ہی ملی تھی۔

اس نے اضطرابی انداز میں سگریٹ سلگائی اور ونڈو سلائیڈ کھسکا کر باہر دیکھنے لگا۔ نیلے آسمان میں آخری راتوں کا چاند بے شمار ستاروں کی جھرمٹ میں آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ تاریکی کی گہری چادر نیچے وادی پر چھائی ہوئی تھی اسے وہ سیاہ رات کبھی بھولی نہ تھی جس کی سیاہی پوری شدت کے ساتھ اس کی زندگی میں چھا گئی تھی۔ وہ ایک سیاہ رات تھی آسمان پر سیاہ بادلوں کی سیاہی اتنی گہری تھی کہ ماحول میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

سرد رات میں تیز ہوا میں مست ہاتھیوں کی مانند چنگھاڑتی پھر رہی تھیں۔ وہ کمرے میں آ کر اضطراری کیفیت میں ٹہل رہا تھا کئی ہفتے بعد اسے صحت یابی نصیب ہوئی تھی وہ بھیانک ایکسیڈنٹ کا شکار ہوا تھا جس میں بیرونی سے زیادہ اندرونی چوٹوں نے گھر سے باہر نکلنے سے معذور کر دیا تھا۔ جس دن وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا سب سے پہلے ادینہ سے ہی ملنے گیا تھا اس عرصے میں اس سے رابطہ ایک بار بھی نہیں ہوا تھا وہ کس قدر پریشان ہوگی یہی سوچیں اسے فکر مند کرتی رہی تھی۔ سارے راستے وہ اسے منانے کے طریقے سوچتا پھول اور چاکلیٹس لے کر گیا تھا۔ ادینہ بہت عجیب و غریب رویے کے ساتھ ملی تھی وہ اس پر کسی طرح اعتبار کرنے کو تیار نہ تھی اس کی آنکھوں میں بے گانگی تھی اور وہ اور اس کے متعلق فضول گوئی کرتی رہی' ایک موقع پر اس کا دل چاہا وہ اسے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتا دے لیکن اس کے بدگمان تیور کہہ رہے تھے وہ اس سچ کو بھی جھوٹ ہی سمجھے گی پھر سمجھایا ان کو جاتا ہے جو سمجھنا چاہتے ہیں۔ وہ دلبرداشتہ ہو کر وہاں سے گھر چلا آیا تھا اور ہارون سے بات ہوئی تھی' ادینہ کے سرد رویے کا نے رویے کی تلخی بھلائے نہیں بھول رہی تھی اس نے اسے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔

☆......☆......☆

کئی گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی جب اضطراب میں کمی نہ آئی تو واش روم میں گھس گیا تھا کہ شاید دل میں بھڑکتی آگ میں کچھ کمی واقع ہو۔ ذہنی ابتری دماغی بے سکونی میں کوئی بہت بڑی پھیل جائے' نہ جانے کیا ہوا تھا کہ ادینہ گویا اس سے دور جا چکی تھی اور یہی احساس اسے وحشی بنائے ہوئے تھا۔

☆......☆......☆

وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس باہر نکلا تو ششدر رہ گیا' وہ بہت ایزی انداز میں مہکی مہکی اس کے بیڈ پر دراز تھی بے حد پُر اعتماد انداز میں۔

''تم......؟'' وہ دور سے ہی ناگوار لہجے میں گویا ہوا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بیڈ پر لیٹنے کی' گیٹ لاسٹ۔'' اس کو ڈھٹائی سے لیٹا دیکھ کر اس نے غصے سے کہا۔

''کول ڈاؤن مائی ڈیئر...... آپ تو ایسے غصہ کر رہے ہیں جیسے ہمارے درمیان کوئی ریلیشن نہ ہو؟ اب غصہ تھوک دیں' یہاں میرے قریب آ کر بیٹھیں۔ اماں بی اور آپو ہماری شادی پلان کر رہے ہیں اور آپ

ابھی بھی بے خبر ہیں' آئیں ہم بھی بیٹھ کر فیوچر کی پلاننگ کرتے ہیں بتائیں ہنی مون پر کہاں چلنے کا ارادہ ہے؟ میں تو......'' باقی ماندہ الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے تھے۔ اس نے بڑھ کر پُرطیش انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ سے اٹھایا تھا اور کسی بال کی مانند درواز کی طرف اچھال دیا تھا اس کے انداز میں اتنی شدت تھی کہ وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکی اور دروازے کے پاس گری تھی۔

''میں تم جیسی لبرل لڑکی کے ساتھ چند لمحے نہیں گزار سکتا اور تم ساری زندگی گزارنے کی بات کرتی ہو۔ آئندہ بھول کر بھی میرے بیڈروم کے قریب سے گزرنا ورنہ ٹانگیں توڑ دوں گا' فوراً یہاں سے جاؤ ورنہ میں رباب ممانی کو بلا کر لے آؤں گا اور سب بتا دوں گا۔''

''کیا کمی ہے مجھ میں؟ کیا میں حسین و جوان نہیں ہوں؟'' وہ کارپٹ سے اٹھتی ہوئی گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی۔

''ساری بات یہ ہے میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں' اس کے علاوہ میں کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ سمجھ میں آیا اب جاؤں یہاں سے تم۔''

''میں بھی آپ سے محبت کرتی ہوں ابھی سے نہیں اس وقت سے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تب سے میں آپ پر مرتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''میں تم سے محبت نہیں کرتا اور نہ کبھی کروں گا جاؤ یہاں سے۔''

''تم میری محبت کی توہین کر رہے ہو ابوبکر! یاد رکھنا عورت کبھی بھی اپنی محبت کی انسلٹ برداشت نہیں کرتی۔ میں کہتی ہوں ابھی بھی وقت ہے' تم اسے بھول جاؤ جس کی خاطر تم باغی بن گئے ہو وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔'' مسلسل ہونے والی اہانت پر وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔

''ہونہہ......تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی کہ وہ مجھے ملے گی یا نہیں؟ قبل اس کے کہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکالوں اور تمہارا تماشا بنے خود ہی یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' اس کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

''اچھا......تم مجھے دھکے دے کر نکالو گے......میرا تماشا بناؤ گے؟ میں تم پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے آئی تھی۔ عورت ہو کر پہل کی میں نے اور تمہیں محبوب بنایا اور تم دشمن ثابت ہوئے اب تم میرا انتقام دیکھنا، اب تم دیکھنا تماشا کس کا بنتا ہے گھر سے دھکے کس کو ملتے ہیں؟'' اس کا نرم لہجہ بپھر گیا تھا بڑی دلیری سے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہی تھی اور پھر اچانک ہی اس نے اپنا لباس پھاڑنا شروع کر دیا۔

''ار......ر......رے...... یہ...... یہ کیا کر رہی ہو...... پاگل ہو گئی ہو تم......؟''

''دیکھنا یہ میرا پاگل پن تمہیں کہاں لے کر جائے گا؟'' اس کے لبوں پر مکروہ انداز گہری مسکراہٹ تھی۔

لباس جگہ جگہ سے نوچنے کے بعد دوپٹہ بیڈ پر اچھالا تھا' سائیڈ کارنر پر رکھے گل دان کارپٹ پر پھینک کر توڑے تھے اور انہیں اٹھا کر ہذیانی انداز میں ہاتھوں اور گلے پر خراشیں ڈالی تھیں لمحوں میں برق رفتاری سے اس نے یہ کام کیے تھے اور قبل اس کے وہ ان حرکتوں سے اسے باز رکھتا وہ چیختی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی' وہ دم بخود کھڑا رہ گیا پیچھے نہ جا سکا' اس شاطر لڑکی نے کس قدر بھیانک چال چلی تھی۔ پھر وہ ہوا جو وہ کر گئی تھی' اس کی بات کسی نے سننا ہی گوارا نہ کی۔ روتی' بلکتی زخموں سے چُور نیم بے ہوش وردہ کی بگڑی حالت' کمرے کا بکھرا ماحول اور وہاں موجود دوپٹہ ابوبکر کے خلاف گواہ تھے وہ وردہ کی عصمت کا قاتل تھا' ان کی خوشبوں کا لٹیرا تھا' ہر طرح سے اس کا جرم ناقابل معافی تھا' اسی رات اسے دھکے دے کر وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ گھر کے دروازے اس پر بند ہو چکے تھے۔ لمحوں میں وہ کیا سے کیا بن گیا تھا' ساری زندگی اس نے اپنی سوچوں کو بھی آلودہ ہونے نہ دیا تھا' خیالی گندگی کو بھی خیالوں سے دور رکھا تھا۔ باعصمت عورت ہی نہیں مرد بھی ہوتا ہے شرط ہے نفس کو ہر لمحے قابو میں رکھنے کی' جذبے پر وقت بھی بے لگام کیے جائیں تو وہ قابل گرفت نہیں ہوتے ہیں۔

پوش علاقے میں اس کا اپنا اپارٹمنٹ تھا وہ وہیں چلا آیا تھا چند دن اسے خود کو امپرو کرنے میں صرف ہوئے تھے' ملال وصدمے کی کیفیت سے وہ باہر نکلا تو نانی جان کی شدت سے یاد آئی تھی۔ اس کی خوداری اجازت ہی نہ دے رہی تھی کہ وہ دوبارہ اس گھر میں قدم رکھے جہاں بلاتحقیق زندگی کا بدترین الزام لگا کر اسے دھکے دیئے گئے تھے مگر وہ نانی جان کو نہیں چھوڑ سکتا تھا خواہ وہ ان لوگوں کی باتوں میں آ کر اس کو مجرم سمجھ بیٹھی ہوں اس نے سوچ و بچار کے بعد ان کو کال کی تھی۔

''یہ لوگ کچھ بھی کہیں ابوبکر...... لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے' تم ایسا نہیں کر سکتے' تم ایسے کم ظرف نہیں ہو سکتے میرے بچے۔'' وہ اس کی آواز سن کر روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''دل میں خدا رہتا ہے اور دل کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتا۔''

''نانی جان.......... آپ نے مجھے بڑی اذیت سے نکال لیا ہے' میں آج سکون سے سوؤں گا۔'' سلگتے دل پر گویا برف سی گرنے لگی تھی' نانی جان نے اسے قید سے آزاد کر دیا تھا۔ بہت اذیت ناک ہوتا ہے اپنوں کی نظروں سے گر کر زندہ رہنا۔ نانی جان کی طرف داری اور یقین اس کی ذات کو معتبر کر گئی تھی وہ دوبارہ سے جی اٹھا تھا لیکن ابھی امتحان شروع ہوئے تھے۔ اس کی یہ خوشی وقتی ثابت ہوئی تھی وہ ابھی نانی جان سے بات کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ ادینہ کی کال آ گئی اور اس کی باتوں نے ذات' عزت نفس' انا و خوداری کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

''جب شروع شروع میں ہارون نے مجھے تمہارے فلرٹ بی ہیوئیر کے متعلق بتایا تھا' مجھے یقین نہیں آیا تھا مگر کب تک یقین نہ آتا سچائی ایک نہ ایک دن خود کو منوا کر رہتی ہے میں وردہ سے مل کر آئی ہوں۔ اس بے چاری نے کئی بار خودکشی کی کوشش کی ہے۔ گھر والوں کی وجہ سے وہ بچ گئی مگر اس کی حالت ابھی تک خراب

ہے تم انسان نہیں درندے ہو۔'' اس کی ذات ذرہ ذرہ ہو کر بکھر گئی تھی۔ ہارون...... ہارون...... ہارون ایک بازگشت تھی' لنکا ڈھانے والا اس کے گھر کا بھیدی ہی تھا۔

''مجھ سے کبھی ملنے کی کوشش نہیں کرنا میں تمہاری صورت دیکھنا بھی نہیں چاہتی' میری ماں کی دعاؤں نے مجھے تمہاری ہوس سے دور رکھا ہے ورنہ......'' اس نے موبائل پوری بات سنے بغیر ہی دیوار پر دے مارا تھا۔ بے اعتباری ہی بے اعتباری یہ صلہ تھا اس کی پاکیزہ چاہتوں کا اور یہ بدلہ دیا تھا ہارون نے اس کی دوستی کا' دوستی اور محبت دونوں نے اسے لوٹا تھا۔ وہ سر پکڑ بیٹھتا چلا گیا' الجھی گتھی سلجھنے لگی تھی۔

''کون ہے یہ' مس ورلڈ؟'' ہارون کی نگاہیں اسکرین پر چپکی تھیں۔

''ادینہ ہے مائی لو یعنی تیری ہونے بھابی۔

''بڑا لمبا ہاتھ مارا ہے یار تو نے...... میں حیران ہوں اتنی خوب صورت لڑکی تجھے مل کیسے گئی۔''

''یہ تو رشک کر رہا ہے یا حسد؟'' وہ اسے ادینہ سے ملوا کر لایا تھا۔

''تم نے ادینہ سے اس کا سیل نمبر لیا؟''

''نہیں...... نہیں وہ فرینڈ تمہاری ہے نمبر میں کیوں لوں گا۔'' ایکسیڈنٹ ہونے کے بعد اس نے ادینہ سے بات کرنے کے لیے اس سے سیل مانگا تھا اور اس نے کہا تھا وہ سیل گھر بھول آیا ہے۔ اس کے جانے کے بعد وہاں موجود سسٹر نے اس سے کہا تھا۔

''آپ کے دوست نے آپ سے جھوٹ کیوں بولا؟

ان کے پاس سیل فون ہے کچھ دیر پہلے وہ کوریڈور میں کسی سے باتیں کر رہے تھے۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے سسٹر...... وہ مجھ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے پورے اعتماد سے کہا تھا نرس نے اس کی طرف تاسف سے دیکھ کر شانے اچکائے تھے پھر ادینہ نے جس انداز مین اس سے گفتگو کی تھی۔ وہ اس سے پوری طرح بدظن و بے اعتباری پر مبنی تھی' اس وقت اسے محسوس ہوا تھا کوئی ادینہ کو اس سے دور کرنا چاہ رہا تھا۔ کسی نے اس کے خلاف اس کے دل میں نفرت بھری تھی لیکن ایسا کون کرے گا اور کیوں؟

ضمیر کی اس صدا پر وہ خاموش ہو کر رہ گیا' آج وہ کینہ پرور چھپ کر وار کرنے والا شخص سامنے آ گیا تھا۔ ہارون جو بچپن سے اس سے اس کی پسندیدہ چیزیں مانگتا اور چھینتا آیا تھا آج اس کی سب سے بڑی خوشی...... سب سے بڑی چاہت' اس سے چھین چکا تھا۔ ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق ہی کام کرتا ہے کام کسی کا پھول بانٹنا ہوتا ہے' کسی کا کام راہ میں کانٹے بچھانا' کسی کا کام معاف کرنا اور کسی کا انتقام لینا ہوتا ہے۔ ہارون نے تمام پھول اپنے حصے میں کر لے تھے اور تمام کانٹے اس کی راہ میں ڈال دیئے تھے یہیں سے دوسرے ابوبکر نے جنم لیا تھا۔

شدید ترین محبت کا دوسرا رخ شدید ترین نفرت ہوتا ہے۔ ہارون کی کمینگی کا اسے ایک حد تک ملال تھا

لیکن ادینہ کی بے وفائی حد سے سوا تھی۔ ادینہ کی بے وفائی اور وردہ کی مکاری اسے عورتوں سے متنفر کر گئی تھی پھر وہ اس صنف سے دور ہی رہا زندگی میں بہت تبدیلیاں آئیں اور ہر تبدیلی اسے پتھر بناتی چلی گئی تھی۔ اس کے لیدر کے بزنس کو مزید وسعت مل گئی تھی اس کی مصروفیت بڑھتی چلی گئی۔ سال میں چند ہفتے ہی ملک میں گزار پاتا تھا' نانی جان نے اس کی جدائی و گھر بدری کا روگ دل سے لگا لیا تھا۔ جس کے سبب بار بار انہیں بیماریوں میں مبتلا ہو کر ہاسپٹلائز ہونا پڑ رہا تھا' جس سے پریشان ہو کر ماموؤں نے اسے گھر آنے کی مشروط اجازت دی تھی۔

وہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھے گا اور وہ خود بھی ان کی صورتیں دیکھنے کا روادار نہ تھا' کبھی کبھی جاتا تو انیکسی میں ہی ٹھہرتا تھا۔ ہارون اور ادینہ کی شادی کی خبر اس نے بہت عام انداز میں سنی تھی کیونکہ وہ ان دنوں واشنگٹن میں تھا۔ ہارون نے ایک بار بھی اس کا سامنا نہیں کیا تھا اور بھاگتے وہ ہی لوگ ہیں جن کے دل میں چور ہوتا ہے جو غلط کرتے ہیں وہ ان کی شادی کے چھ ماہ بعد واپس آیا تھا' نانی کی خراب طبیعت اسے یہاں کھینچ لائی تھیں اور تب وہ وہ پہلی بار اس کے سامنے آیا تھا۔

ادینہ کے گرد بازو لپیٹے' گردن اکڑا کر فتح مندی سے اسے دیکھتا کار کی طرف بڑھ گیا تھا۔ لمحے بھر کو وہ شاکڈ ضرور ہوا تھا پھر دوسرے لمحے ہی نفرت کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ ان کی خوشی' ان کا غم اس کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے جن لوگوں کی محبت دل سے نکل جاتی ہے وہ زندہ ہو کر بھی مر جاتے ہیں اور اس کو ان کی محبتوں پر مٹی ڈالے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔

وفا و بے وفائی' اعتبار و بے اعتباری وہ ان جذبوں سے لاتعلق ہو گیا تھا اس نے ارادہ کر لیا تھا اب کوئی لڑکی اس کی زندگی میں نہیں آئے گی لیکن حادثاتی طور پر ایک لڑکی نہ صرف اس کی زندگی میں آئی بلکہ وہ اس کے نام کے ساتھ جڑ بھی گئی مگر اس نے بھی تہیہ کر لیا تھا' نانی کی محبت ایک طرف وہ **لڑکی** جبراً اس کی بن تو گئی ہے مگر اسے کبھی حاصل نہ کر سکے گی۔

☆.....☆.....☆

اماں بی کی جلالی کیفیت نے ان کے اندر بلا کی پھرتی و تندرستی بھر دی تھی' وہ اس کا بازو پکڑے تیز قدموں سے ابوبکر کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں، وہاں جا کر دروازے پر انہوں نے دستک دی تھی۔

''جی..... آجائیں بابا۔'' اندر سے آواز آئی تھی وہ اسی طرح اندر چلی آئی تھیں۔

''نانی..... جان.....'' وہ کھڑکی کا پردہ درست کر کے پلٹا اور انہیں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ وہ غیض و غضب کی تصویر بنیں ڈری سہمی جنت کا ہاتھ تھامے کھڑی ہوئے تھیں۔

''ہاں..... میں تمہاری نانی..... تم نے جرات کیسے کی میری حکم عدولی کرنے کی..... تم کیا سمجھتے ہو میں تم سے کمزور ہوں..... تم بہت بہادر و نڈر بن گئے ہو؟''

''نہیں..... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا' یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟''

''سوچ نہیں سکتے مگر عملی مظاہرے کر کے دکھا سکتے ہو۔''

''آیئے بیٹھے تو سہی۔'' اس نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا تھا لیکن شدید غصے میں وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کہنے لگیں۔

''یہ جگہ جنت کی ہے اس کو بٹھاؤ مجھے نہیں۔''

''جی بہتر' پہلے آپ تو بیٹھے نا' اتنا غصہ آپ کی صحت کے لیے اچھا نہیں۔''

''تمہیں اگر میری صحت کا خیال ہوتا تو تم اس بچی کو وہاں چھوڑ کر نہیں آتے'' ساتھ لے کر آتے یہ منہ دیکھے کی محبت نہ جتاؤ۔'' اسے معلوم تھا نانی کو غصہ کم کم ہی آتا ہے مگر جب آتا ہے تو پھر بڑا ہی خطرناک آتا ہے اب وہ زیرہ عتاب آ گیا تھا۔

''سوری..... غلطی ہو گئی مجھ سے آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔''

''ہونہہ..... اچھا لفظ بنا ہے یہ ''سوری'' کسی کے دل میں چھریاں اتار دو' کسی کو قتل کر دو اور پھر آہستہ سے کہہ دو سوری۔''

''زیادتی کر رہی ہیں نانی جان آپ' کہاں ہے میرے ہاتھ میں چاقو' پستول، خنجر جو میں کسی کو قتل کروں گا۔'' ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ دھیمے انداز میں مسکرا کر گویا ہوا۔

''یہ زبان جو ہے ناں بڑی خاموش قاتل ہے یہ گھائل بھی کرتی ہے تو کسی کو پتا نہیں چلتا اور مار بھی دیتی ہے تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم ابھی دو دل زخمی کر کے آئے ہو اور تمہیں ملال تک نہیں ہے اور کہہ رہے ہو' تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔'' ان کا مزاج مزید گرم ہو گیا تھا۔

''غلطی ہو گئی مجھ سے معاف کر دیجیے نانی جان۔' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''جنت یہیں رہے گی کان کھول کر سن لو اگر تم نے اس کو آنکھیں دکھانے کی کوشش کی پھر مجھ سے برا کوئی نہیں یہ یاد رکھنا تم۔''

''مجھے یقین نہیں ہو رہا'' آپ میری نانی ہیں یا کسی اور کی؟'' وہ شانے اچکاتا ہوا حیرانی سے بولا۔

''یہ بھی سب زبان کا ہی کمال ہے زبان میں مٹھاس و خلوص ہو گا تو غیروں کو بھی اپنا بنا لیتی ہے اور کڑواہٹ ہو تو اپنے بھی غیر بن جاتے ہیں۔''

''یعنی خون سے زیادہ زبان کے رشتے پائیدار ہوتے ہیں؟''

''مجھے باتوں میں الجھا کر وقت برباد نہیں کرو' مجھے ویسے ہی نیند آ رہی ہے۔''

''جی ہاں..... بہت خوب' میں کچھ کہوں تو وقت کی بربادی نظر آتی ہے' نیند آنے لگتی ہے۔ دوسروں کی خاطر ایسا کچھ نہیں ہوتا ہے۔'' اس کے لہجے میں شکوہ در آیا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ غصہ بھول کر بے ساختہ

مسکرانے لگی تھیں۔

''خیر' جو میں نے کہا ہے وہ یاد رکھنا کسی قسم کی شکایت نہیں ملنی چاہیے مجھے۔'' وہ جنت کا سر تھپتھپاتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ابوبکر ان کو سہارا دے کر وہاں سے لے کر گیا تھا اب وہ وہاں تنہا رہ گئی تھی تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ' اس کا کمرہ اس کے مزاج کی طرح سرد تھا۔ اعلیٰ ترین ڈیکوریشن کا شاہکار خاصا بڑا کمرہ تھا' وہ وہیں کھڑے کھڑے جائزہ لیتے ہوئے مبہوت سی رہ گئی تھی۔ اس کا یہ بیڈ روم' اس کی آرائش خوابوں کے نگر جیسی تھی وہ سخت مرعوب ہوگئی تھی۔

ابوبکر نانی کو چھوڑ کر کمرے میں آیا تو خاصا اپ سیٹ تھا وہ ہنوز اسی جگہ کھڑی تھی جہاں نانی کے ساتھ آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی پتھریلی ہوتی چلی گئی تھی۔ جنت کی موجودگی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ اپنی تنہائیوں میں کسی کی مداخلت کسی صورت گوارا نہ تھی اور وہ وہاں بن بلائے مہمان کی طرح آ کر مسلط ہوگئی تھی۔ اسے کمرے میں آتے دیکھ کر جنت دم سادھے کھڑی تھی' وہ خاص جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا اسے نظر انداز کر کے ڈریسنگ کی دراز کھول کر چیک کرتا رہا پھر چینج کرنے ڈریسنگ روم میں گھس گیا وہاں سے نکلا تو آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بالوں میں برش کرتا رہا' اس کے ہر انداز سے لے اطمینانی ظاہر ہو رہی تھی۔ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہونے لگی تھیں مگر وہ سخت کٹھور تھا ذرا بھی اس پر ترس کھانے کو تیار نہ تھا پھر سائیڈ ٹیبل کی دراز سے لائٹر اور سگریٹ نکال کر صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ایک کے بعد دوسری سگریٹ سلگا کر اس کی آنکھیں اسے دیکھنے کے قابل ہوئی تھیں، وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

''نانی جان نے جو باتیں کی ہیں ان سے تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے وہ میری اس دنیا میں واحد عزیز ہستی ہیں' میں چاہنے کے باوجود ان سے کوئی اختلاف رائے نہیں رکھ سکتا۔ کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں' جو کہیں آپ کو مضبوط کرتے ہیں تو کہیں کمزور بھی کر دیتے ہیں۔'' اس کی مخاطب وہ ہی تھی مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

''نانی کی خوشی کے لیے' آخری سانسیں لیتے ہوئے شخص کی التجا پر یا نانی کی بگڑی حالت کے پیش نظر میں نے نکاح نامے پر سائن کیے تھے اس میں نہ میری خواہش شامل تھی اور نہ مرضی میں سوچ رہا تھا مناسب وقت پر کوئی فیصلہ لوں گا' وہ وقت ابھی آیا نہیں ہے اس وقت تک میں تمہیں یہاں برداشت کرنے کو تیار ہوں مگر یہ سب مشروط طور پر ہوگا جو میں کہوں گا وہ تمہیں کرنا ہوگا' کرو گی؟''

''کیا کرنا ہوگا مجھے؟'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''میں جو بھی کہوں گا مگر تمہیں انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔''

''جی' لیکن کرنا ہوگا؟''

''میں نے کہا ناں تم کو سوال کرنے کا حق بالکل نہیں ہے انڈر سٹینڈ۔'' وہ ایش ٹرے میں سگریٹ رگڑتا ہوا دھاڑا۔

''جی..... جی اچھا۔'' اس کی دھاڑ پر وہ اچھل پڑی تھی۔

''میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے رشتہ کوئی بھی ہو میں سچائی سے نبھانے کا عادی ہوں۔ تمہارا ساتھ میری مجبوری ہے اور کسی کی مجبوری کے ساتھ فائدہ اٹھانا میری نظر میں سب سے زیادہ بزدلی و کم ظرفی ہے' میں تمہارے ساتھ ٹائم شیئر نہیں کروں گا۔ نانی جان تمہیں چھوڑ کر گئی ہیں ان کی خواہش کے احترام میں تمہیں یہاں سے بے دخل نہیں کروں گا مگر میں یہاں نہیں رہوں گا۔''

وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہارون کی ذہنی حالت اس قدر ابتری کا شکار تھی کہ وہ سائیکو کیس بن گیا تھا نہ وہ ادینہ کو ساتھ رکھنے پر تیار تھا نہ اس کے بغیر رہنے کو' ادینہ ایک ہفتے سے میکے میں تھی وہ لینے گیا تھا اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا پھر وہ غصے میں وہاں خوب ہنگامہ کر کے آیا تھا۔ اس کا ایب نارمل رویہ دیکھ کر ادینہ کے والدین نے نفیسہ بیگم کو فون کر کے کہہ دیا تھا' وہ اپنی بیٹی کو اس پاگل کے پاس کبھی نہیں بھیجیں گے۔ نفیسہ کی زندگی دہری مشکل میں پھنس گئی تھی ایک طرف محبت کرنے والا بیٹا دشمن بن گیا تھا تو دوسری طرف ادینہ کے والدین نے نیا تنازعہ کھڑا کر دیا تھا' ان کے سمجھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا کیونکہ ہارون دو تین بار وہاں جا کر ان سے جھگڑا کر کے آتا رہا تھا بات اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ لوگ خلع لینے کا سوچ رہے تھے اور ان کی جان پر بنی ہوئی تھی کہ وہ جانتی تھیں۔ ہارون ادینہ کو طلاق دینے کے بجائے کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے۔ وہ اسی سوچ میں گم بیٹھی تھیں ہارون کو کس طرح سمجھائیں وہ ان کی کوئی بات سننے کو راضی ہی نہ تھا رباب وہاں آئیں اور قریب بیٹھ گئیں۔

''بھابی! سمجھ نہیں آتا اس گھر کو کون سی نحوستوں نے گھیر لیا ہے خوشی کی خبر سننے کو کان ترس گئے ہیں پتا نہیں ایسا کیا ہوا ہے؟''

''جب سے اماں بی گھر سے گئی ہیں لگتا ہے ہماری خوشیاں اور سکھ بھی ساتھ ہی لے گئی ہیں روز کوئی نہ کوئی نئی مصیبت ہماری منتظر ہوتی ہے۔'' نفیسہ آہ بھر کر گویا ہوئیں۔

''اماں بی کی بات آپ رہنے ہی دیں' وہ تو اپنے کمرے تک ہی محدود رہتی تھیں، انہیں صرف فکر اپنے چہیتے ابوبکر کی ہوتی تھی' دوسرا کوئی مرے یا جیے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔'' وہ منہ بنا کر بولیں۔

''پہلے ایسا نہیں تھا جب سے ابوبکر پر اس گھر میں داخلے پر پابندی لگی تھی اس وقت سے ہی انہوں نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا تھا۔''

''ان کی وجہ سے اس کو گھر کی دہلیز پر قدم رکھنے کی اجازت ملی تھی وگرنہ اس نے جو کیا ہے اس کی

پاداش میں اسے سنگسار کر دینا چاہیے۔'' رباب کی نفرت میں ذرا کمی نہ آئی تھی۔

''اس کو اس گھر سے اور ہم سے جدا ہو کر کیے کی سزا مل گئی ہے۔''

''لیکن..... بھابی! وردہ کو بنا قصور کے ہی سزا مل رہی ہے۔ میرے چاروں بچے اس سے چھوٹے ہیں مگر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں اور وہ ان سے سالوں بڑی ہونے کے باوجود گھر بیٹھی ہے۔ مجھے اس کی شادی کی فکر رہتی ہے پھر اس کے ساتھ گزرنے والے واقعے نے اس کی زندگی پر بُرے اثرات ڈالے ہیں' جب ہی رشتے آتے تو ہیں لیکن پھر کوئی پلٹ کر آتا نہیں ہے۔''

''یہ سب نصیب کے کھیل ہیں رباب! جب اللہ کا حکم ہوگا تو وہ اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ گزرنے والے واقعے کی خبر ہمارے سوا کسی کو نہیں ہے۔ تم یہ خیال دل سے نکال دو' باہر کسی کو بالکل خبر نہیں ہے وردہ کے ساتھ کیا ہوا ہے پھر اب تو اس بات کو گزرے عرصہ بیت گیا ہے۔'' نفیسہ نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے بندش وغیرہ ہے وردہ کے کام میں۔''

''اللہ کے کام میں کسی بندے کے مداخلت کرنے کی جرات ہے بھلا' میں ایسی بندش وغیرہ کو نہیں مانتی' اگر ہمارے کسی کام میں دیر ہوتی ہے تو پھر اس میں ہماری ہی کوتاہی ہوتی ہے یا پھر تقدیر ہمیں کچھ بہت اچھا عطا کرنا چاہتی ہے۔''

''میں دیکھ رہی ہوں بھابی! جب سے ہارون کی طبیعت خراب رہنے لگی آپ میں بے حد تبدیلی آ گئی ہے بہت چینج ہو گئی ہیں آپ۔''

''میری دعا ہے اولاد کا دکھ کسی دشمن کے نصیب میں بھی نہ لکھا ہو، میری دعا ہے ہم اپنے دکھوں سے لڑ سکتے ہیں' تکالیف برداشت کر سکتے ہیں مگر بچوں کا دکھ ان کی معمولی سی تکلیف بھی ماں کو بے چین کر ڈالتی ہے پھر ہارون نہیں ہے اس کی بیوی ہے جس کو بڑی چاہ سے وہ اپنا بنا کر لایا تھا اور.....'' وہ بے ساختہ رونے لگیں۔

''آج وہ اسی کا دشمن بنا ہوا ہے اور عجیب دشمنی ہے نہ اس سے دور رہ سکتا ہے نہ پاس رکھنے کو تیار ہے' نامعلوم کیا چاہتا ہے' کیا سوچتا ہے؟ ہر دوسرے دن رباب اور اسکی ممی پپا سے جھگڑا شروع کر دیتا ہے۔''

''آپ جا کر ادینہ کو گھر لے کر آ جائیں وہ غصہ بھول جائے گا۔''

''دو دن بعد پھر اس کو مار کر نکال دے گا اور میں کس منہ سے بہو کو لینے جاؤں' کتنی مرتبہ اس کے ممی پپا سے ہارون کے رویے پر معذرت کر کے ادینہ کو لے آئی ہوں اور ہارون کا رویہ ہر دوسرے دن بدل جاتا ہے۔ وہ ہاتھوں کی مار بھی مارتا ہے اور زبان کی مار بھی وہ جسمانی طور پر بھی گھائل ہوتی ہے اور ذہنی طور پر بھی۔ پہلے میں اس کی پروا نہیں کیا کرتی تھی۔ لیکن جب سے میرا دل زخمی ہوا ہے مجھے اس کے غم کا احساس ہونے لگا۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' دوسروں کو یہ احساس کم ہی ہوتا ہے اب ابوبکر کو ہی دیکھ لیں جب وردہ سے شادی نہیں کرنی تھی پھر اس کی زندگی کیوں خراب کی؟ اب خود آرام سے شادی کر کے بیٹھ گیا ہے۔ ندامت کا احساس چھو کر بھی نہیں گزرا' اس بے حس لڑکے کو' میری بددعا ہے وہ آباد ہو کر بھی آباد نہیں ہوگا جس طرح میری بہن کی زندگی برباد کر کے گیا ہے اسی طرح اس کی زندگی بھی برباد ہوگی۔''

''جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے یہ قدرت کا اصول ہے' وہ لوگ بہت جلد یہاں آ جائیں گے میں یہ سوچ سوچ کر ہول جاتی ہوں' ابوبکر کو یہاں دیکھ کر ہارون کا ردعمل کیا ہوگا؟''

''یہی میں سوچ کر پریشان ہوں وردہ کے زخم پھر سے تازہ ہو جائیں گے۔ میری لاکھ کوششوں کے باوجود اس کا کہیں رشتہ طے نہ ہو سکا۔''

''میں یہی تو سوچتی ہوں ہم سے ایسی کیا خطا ہو گئی جو ہماری خوشی غموں میں بدل گئی اور بے فکری کو فکر کی دیمک لگ گئی ہے' ہر دن ایک نئی آزمائش لے کر طلوع ہوا ہے۔''

وہ نانی سے دل و جان سے محبت کرتا تھا یہ محض زبانی دعویٰ نہ تھا' اس کا ثبوت اس نے عملی طور پر بھی دیا تھا وہ رات اسے یہاں چھوڑنے آئی تھیں۔ ان کے احترام میں ان کی خواہش کا خیال کرتے ہوئے وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا اور برابر والے کمرے میں سویا تھا۔ دوسرے دن وہ اس کے بیدار ہونے سے قبل چلا گیا تھا' اماں بی اور اس نے ناشتا کیا۔ ناشتا کے دوران وہ خاموش نظروں سے اس کا جائزہ لیتی رہی تھیں اور ان کے چہرے پر سوچوں کی پرچھائیاں گہری ہونے لگی تھیں۔

''قاعدے کی رو سے آج ناشتا ابوبکر کو ہمارے ساتھ ہی کرنا چاہیے تھا' مگر اچانک کوئی فون آ گیا وہ سویرے ہی گھر سے چلا گیا' تم خیال نہیں کرنا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ فکر مند نہیں ہوں اماں بی..... مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ میرے لیے کافی ہے' انہوں نے ناپسندیدگی کے باوجود آپ کی محبت میں مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیا ہے۔ اپنا نام دیا ہے اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ..... میں جو مٹی کا ذرہ تھی کو ہِ نور بن گئی ہوں۔'' وہ چائے کا مگ ان کو پکڑاتی بولی۔

''جیتی رہو بیٹی..... خوش رہو' سدا آباد رہو' میں جانتی ہوں ابوبکر نے تمہیں ابھی وہ جگہ نہیں دی ہے جو خاوند بیوی کو دیتا ہے لیکن مجھے یقین ہے تمہارا صبر و استقامت خلوص و بے لوث محبت بہت جلد اسے تمہاری طرف کھینچ لائے گی۔ وہ تمہارا ہو جائے گا' تمہیں چاہنے لگے گا' مرد کی بے گانگی بے مثال ہوتی ہے تو اس کی محبت کی بھی وسعت ناپی نہیں جا سکتی۔ آج اس کی بے رخی کی دھوپ تمہیں جھلسا رہی ہے' کل یقیناً اس کی محبت کی چھاؤں تمہیں مسرور کر دے گی۔'' وہ کہہ رہی تھیں اور وہ گردن جھکائے سوچ رہی تھی۔ انہوں نے ماں بن کر پالا تھا اور ہر ماں اپنے بچوں کے لیے اچھے جذبات رکھتی ہے۔

''آج تمہاری ماں کی طرف چلتے ہیں اس کی عدت پوری ہوگئی ہوگی۔ میں کچھ دیر بیٹھ کر آجاؤں گی۔ تم آرام سے رہنا ساتھ نہیں لاؤں گی' رات تک بلواؤں گی۔'' وہ ناشتے کے برتن سمیٹ کر ٹرالی میں رکھ رہی تھی معاً وہ بولیں۔

''جی اچھا' آپ کا سوٹ نکال دیتی ہوں۔''

''ارے نہیں میں نے کچھ دیر قبل ہی چینج کیے ہیں۔ تم کسی خوب صورت سوٹ کے ساتھ ہلکی پھلکی جیولری پہن لوتا کہ ان کو یاد رہے تم ان کی بیٹی ہی نہیں ہماری بہو بھی ہو۔'' وہ اس کا سادہ اور زیورات سے مبرا چہرہ دیکھ کر جتانے والے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

جب سے اس کی تقدیر بدل تھی' شریفہ اور صدف کا رویہ بھی بدل گیا تھا' اس کو اور اماں بی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ اماں بی زیادہ وقت بیٹھ کر نہیں گزار سکتی تھیں اس لیے وہ کھانے کے بعد جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور حسب عادت نوٹوں کی گدی چپکے سے شریفہ کو تھما کر چلی آئی تھیں اس سے کیے گئے وعدے کو وہ خاموشی سے نبھا رہی تھیں حتیٰ کہ اس کا ذکر انہوں نے جنت سے بھی کرنا مناسب نہ سمجھا تھا لیکن وہ ان کے اس ایثار سے اچھی طرح واقف تھی' انہیں بتانا اچھا نہیں لگا اسے جتلانا نامناسب لگا تھا۔ ان کی اس سخاوت پر وہ دل سے ان کی قدردان ہوگئی تھی کہ اب ایسے لوگ مٹھی برابر ہی رہ گئے ہیں جو چھپ کر مستحق و مجبور لوگوں کی امداد کریں۔ کل تک شریفہ حاکم تھی دنیا کو ٹھوکر میں رکھا ہوا تھا آج وہ محکوم بن کر اس کو ٹھوکروں میں آگئی تھی' محتاج و بے بس ہوگئی تھی۔

''اب تم بھی تھوڑا آرام کرلو، جب سے آئی ہو دعا کو گود میں لیے بیٹھی ہو۔ لاؤ اسے مجھے دو' اس کے سونے کا ٹائم ہو رہا ہے' صدف سلائے گی اسے۔'' وہ اس کی گود سے صدف کی بیٹی کو لیتے ہوئے جنت سے مخاطب ہوئی۔

''اس میں وزن ہی کہاں ہے چھوٹی ماں..... پھولوں جیسی ہے بالکل نازک و پیاری۔'' اس نے چار ماہ کی کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔

''وزن کہاں سے آئے گا بچی میں بیٹا؟ ڈبے کا دودھ کتنا مہنگا ہوتا ہے ہم جیسے لوگ کہاں خریدنے کی اوقات رکھتے ہیں۔'' شریفہ بچی کو بے بی کوٹ میں لٹاتے اپنے دکھڑے رو رہی تھی۔ اس کی نگاہیں جنت کے گولڈن پرس پر تھیں۔

''چھوٹی ماں..... اماں بی جو رقم دیتی ہیں وہ کم تو نہیں ہوتی سب سے پہلے آپ اس میں سے دعا کے لیے دودھ منگوایا کریں پھر کچھ اور کام کیا کریں۔'' اسنے مناسب انداز میں انہیں جتایا تھا۔

''ارے وہ رقم..... (چالاک بڑھیا کہتی ہے میں اس رقم کے متعلق کسی کو نہیں بتاتی ہوں) ارے گھر کے خرچ ہی اتنے ہیں کہ ان پیسوں میں بچتا ہی کیا ہے' تمہارا ابا اتنے پیسے بھی نہیں چھوڑ کر گیا کہ میں چند دن

سکون سے گزار سکوں۔ مجبوری کی حالت میں داماد کے گھر پر پڑی ہوں' پھر بہروز کون سا لکھ پتی ہے' ایک مزدور ہے کبھی مزدوری ملتی ہے کبھی نہیں ملتی لیکن پیٹ تو روز کھانے کو مانگتا ہے اس جہنم کو تو بھرنا ہی پڑتا ہے۔'' وہ غمزہ لہجے میں کہہ رہی تھیں کوئی اور وقت ہوتا تو جنت کی روئی کی مانند دھنائی ہو چکی ہوتی مگر اس کی تقدیر بدل گئی تھی۔ وقت نے اسے جنت اکبر سے جنت ابوبکر بنا دیا تھا۔

''جنت..... تم دلہا بھائی سے کہہ کر بہروز کو کوئی اچھی جگہ نوکری دلوا دو نا' جہاں لاکھوں روپے سیلری ہو' بنگلہ، کار ہر چیز ملے۔'' صدف نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر لہجے میں کہا۔

''ارے ہاں بڑے کمال کی بات کی ہے تم نے صدف۔'' شریفہ بھی پھرتی سے وہاں آکر بیٹھی تھی۔

''تمہارا میاں بہت امیر ہے بڑے بڑے لوگوں سے ملنا جلنا ہوگا ان کا' تم ان سے کہہ کر بہروز کی تگڑی سی نوکری لگوا دو جنت۔''

''میں کیسے کہہ سکتی ہوں ان سے؟'' وہ بے ساختہ بولی۔

''لو یہ کیا بات کی تم نے؟'' شریفہ نے بے ساختہ ہنستی ہوئی بولی۔

''منہ سے کہو اور کیسے کہو گی' ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تم ان سے ہر بات منوا سکتی ہو پھر یہ بات بھی منوالو۔''

''لیکن چھوٹی ماں..... وہ ایسے نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب وہ ایسے نہیں ہیں..... ہوں ..... کیا وہ تم سے پیار نہیں کرتے؟'' اس کی نگاہوں میں ایک دم تجسس بھر آیا تھا انہوں نے حیرانی سے صدف کی طرف دیکھا اور وہ چوری بن گئی نہ چاہتے ہوئے بھی سچ منہ سے نکل گیا تھا حالانکہ ابوبکر نے سخت تنبیہ کی تھی کہ ان کے تعلقات کی کسی کو بھی بھنک نہیں پڑنی چاہیے اور اس کی کی دھمکی سے قطع نظر یہ اس کی بھی عزت نفس و انا کا معاملہ تھا۔ وہ کیوں اپنا ٹھکرایا جانا کسی کو سنا کر تماشا بنتی' سو ایک دم ہی ذرا جھینپ کر مسکراتی ہوئی دفاعی انداز میں گویا ہوئی۔

''نہیں نہیں..... میرا یہ مطلب نہیں تھا وہ بہت خیال رکھتے ہیں میرا۔''

''ہاں' خیال کیوں نہیں رکھے گا اپنی مرضی سے تم سے بیاہ کیا ہے کسی نے اس کے گلے پر چھری رکھ کر مجبور تھوڑی کیا تھا کہ تم سے شادی کرو۔'' ان کی آنکھوں میں جلنے والی جوت یک دم بجھ گئی تھی۔

''توبہ اماں..... اتنے امیر و کبیر آدمی کو بھی کوئی زبردستی شادی کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ یہ تو جنت کی قسمت ہے جو سنڈریلا کی طرح بدل گئی۔'' وہ اس کے قیمتی ملبوس و روبی اسٹون کی نازک و حسین جیولری کو دیکھتی رشک آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''یہ کوشش کرے تو تمہاری تقدیر بھی بدل سکتی ہے۔''

''جنت میری بہن ہے یہ کیوں نہیں کوشش کرے گی۔'' ضرور کرے گی۔ یہ ہمیشہ سے ہمارا خیال رکھتی

آئی ہے جب یہ خالی ہاتھ تھی اور آج تو کروڑوں کی مالکن بن گئی ہے ایسے میں ہماری مدد کیوں نہیں کرے گی۔'' صدف نے لپیٹتے ہوئے بڑے لگاوٹ بھرے لہجے میں کہا۔

پھر رات تک وہ اسے شیشے میں اتارتی ہوئی رہی تھیں' صدف اپنی مصائب بھری زندگی کی پریشانیاں بار بار سناتی رہی۔ شریفہ اس کی باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی جاتی اور ساتھ ساتھ میاں کو قابو کرنے کے گُر بھی ازبر کرواتی وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

''اگر ان باتوں کا ادراک ابوبکر کو ہو جائے تو وہ کیا کرے گا؟ یقیناً اسے اٹھا کر کمرے سے باہر نیچے کھائیوں میں پھینک دے گا۔'' اس احساس سے ہی اسے مارے خوف کے جھرجھری لی تھی۔

پھر اس کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا جب بہروز خان نے اندر آکر اطلاع دی کہ باہر ابوبکر اسے لینے آیا ہے' وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

''دیکھ..... کتنا پیار کرتے ہیں تم سے' ذرا دیر ہوئی نہیں اور دوڑے بے دوڑے چلے آئے تمہیں لینے۔ بہروز کی نوکری کی بات ضرور کرنا۔' اس کو شال اوڑھتے دیکھ کر شریفہ نے ہنس کر کہا۔

''میرا نہیں تو میری بچی کا خیال کرنا جنت..... ہمارا بھی حق ہے اچھی زندگی جینے کا کب تک سسک سسک کر زندگی گزاریں گے ہم۔''

''اگر تم کہو گی تو تمہارا میاں بہروز کو اپنی ہی کسی کمپنی میں نوکری دے دے گا۔'' بہروز نے اسے کہا کہ ابوبکر کو جلدی ہے وہ اندر نہیں آئے گا وہ اس کو بلا رہا ہے۔ وہ شال اوڑھ چکی تھی اس نے جھک کر بے بی کاٹ میں کچھ دیر قبل سوئی دعا کو پیار کیا اور پرس میں سے کچھ رقم نکال کر سوئی ہوئی دعا کی مٹھی میں دبا دی تھی۔ اماں بی وقتاً فوقتاً اسے روپے دیتی رہتی تھیں جس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

''ارے وہ ہم غریبوں کے ہاں کیوں آئے گا۔''

دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے شریفہ کی بڑبڑاہٹ سنی تھی اور سانس بھر کر رہ گئی۔

''بہن جنت..... اماں اور صدف کی باتوں کی پروا نہ کرو' آپ ان سے ہمارا نوکری کا بات نہیں کرنا۔ ابھی آپ کی شادی کو دن کتنا ہوا ہے' آپ ان کو نوکری کا بولے گا تو وہ کیا سمجھے گا کیسا لالچی لوگ ہے ہم'' بہروز خان اسے کار تک چھوڑنے جا رہا تھا اور اس کے کانوں میں ان کی باتیں پڑ گئی تھیں' وہ شرمندہ سا گویا ہوا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بہروز بھائی..... اماں اور صدف نے اپنا سمجھ کر کہا ہے مجھے۔''

''سب سمجھتا ہے ہم' یہ سارا پیسے کا کمال ہے ورنہ تم کل بھی ان کا اپنا تھا۔'' بہروز نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ سست روی سے کار کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''آگے آؤ' نوکر نہیں ہوں تمہارا۔'' وہ اس کی طرف بنا دیکھے اسے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے دیکھ کر اسے دھاڑا تھا اور جنت کانپ بیٹھتے ہوئے عجیب سی کپکپی کا شکار تھی دروازہ بھی بڑی مشکل سے بند کیا تھا۔

''تم نے ڈور ٹھیک سے بند نہیں کیا' دوبارہ کھول کر بند کرو۔'' اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مصیبت ہے بھئی' تم کو ڈور بھی بند کرنا نہیں آتا حد ہوتی ہے۔'' دروازہ درست طریقے سے بند نہیں ہوا تھا اس نے جھنجھلاتے ہوئے جھک کر ہاتھ بڑھایا اور کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا تھا' خوشبو کا ایک زبردست جھونکا اس کی ناک سے ٹکرایا تھا۔ لمحے بھر کو وہ اس کے مہکتے حصار قید ہو کر رہ گئی تھی' پل بھر کو وہ بادل کی طرح اس پر چھا گیا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی وہ سیدھا ہوا۔

''نانی جان کو بھی ہر وقت دوسروں سے ہمدردی کا بخار چڑھا رہتا ہے' کہہ بھی رہا تھا میں تھکا ہوا ہوں آپ شوفر کو بھیج کر اپنی لاڈلی کو بلوا لیجیے مگر جب تک وہ میرے خلاف فیصلہ نہ کر لیں ان کو زندگی بے مزہ لگتی ہے۔ میں جس قدر کمپرومائز کر رہا ہوں وہ مجھے اتنا ہی پریشرائزڈ کرتی ہیں۔'' جتنی شدت سے وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا' اتنی ہی شدت سے اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔

وہ اسے پک کرنے آیا ہے یہ سن کر ہی وہ سکتے میں آگئی تھی کہ وہ اسے لینے آیا ہے اور اس کے دل نے گواہی دی تھی' وہ آیا نہیں بھیجا گیا ہے۔ اس خیال کی تصدیق اسکے سرد و خشک رویے نے کر دی تھی۔ اس نے دروازہ اس زور سے بند کیا تھا کہ وہ جو اس کو اپنی طرف جھکتے دیکھ کر پیچھے ہوئی تھی اس اثناء میں اس کا ہاتھ لٹکا گیا تھا اور دروازہ میں دب کر رہ گیا تھا' مارے تکلیف کے اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا تھا وہ گردن جھکا کر رہ گئی تھی۔ وہ سخت غصے میں تھا اور اس کی ہمت ہی نہ ہوئی بتانے کی ابوبکر نے حد رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

باہر اندھیرے میں چاندنی کا غبار پھیلا ہوا کسی طلسماتی بستی کا منظر پیش کر رہا تھا' اونچے نیچے پتھریلے راستے اور اس کی فاسٹ ڈرائیونگ تکلیف سے اس کا برا حال تھا وہ شال کی اوٹ میں منہ چھپائے سسکیاں چھپا رہی تھی۔ وہ اس کو پوری طرح نظر انداز کیے ڈرائیونگ کر رہا تھا' شاید ایک بار دیکھ لیتا تو اس کی تکلیف کا احساس ہو جاتا اسے مگر وہ جلد از جلد گھر پہنچنے کی دھن میں کار دوڑا رہا تھا۔ کار گیراج میں رکی تو وہ درد سے بے حال ہو چکی تھی' بڑی ہمت کر کے اس نے دروازہ کھولا اور نیم مردہ ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تھام کر اندر چلی تھی۔ ابوبکر منیجر کی آنے والی کال سن رہا تھا' سن کر اس نے برابر کی سیٹ پر دیکھا اور دروازے کی آف وائٹ سطح دیکھ کر وہ چونک گیا۔ وہاں تازہ خون کے قطرے پھیلے ہوئے تھے۔

''مائی گاڈ..... یہ خون ہے..... خون کہاں سے آیا؟ یہاں وہ بیٹھی تھی.....'' اس نے خون کو چھوتے ہوئے سوچا پھر کار سے اتر کر بھاگتا ہوا اندر کی جانب بڑھا تھا۔

☆.....☆.....☆

خطا کسی کی ہو لیکن سزا کسی کو ملے
یہ بات جبر نے چھوڑی ہے ہر صدی کے لیے
وہ مجھ کو چھوڑ گیا تو مجھے یقین آیا
کوئی بھی شخص ضروری نہیں کسی کے لیے

اس نے ہاتھ کو شال میں لپیٹا ہوا تھا۔ سارا رستہ درد برداشت کرتی آئی تھی' کمرے میں آتے ہی ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے' وہ شدت سے رودی۔

''بہت اسٹوپڈ ہو تم۔'' ابوبکر اسکے پیچھے چلا آیا اور وہ اسے دیکھ کر گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''دکھاؤ' کہاں لگی ہے؟'' جنت نے شال ہٹائی ہاتھ سے جو خون سے سرخ ہو رہا تھا خون ابھی بھی تیزی سے نکل رہا تھا۔

''بیٹا.....فرسٹ ایڈ بوکس۔'' رمضان بابا دستک دیتے اندر آئے۔

''یہاں رکھ دیجیے اور سنئے نانی جان کو کچھ مت بتایئے گا۔ وہ بہت معمولی سی چوٹ ہے جوان محترمہ کی بے وقوفی کی وجہ سے ہی لگی ہے نامعلوم کیوں لڑکیوں کو ایسی چپ حرکتیں کر کے دوسروں کی ہمدردیاں سمیٹنے کا شوق ہوتا ہے۔'' بابا گردن ہلاتے ہوئے چلے گئے اور وہ بکس سے کاٹن اور ڈیٹول نکال کر اس کا ہاتھ صاف کرنے لگا۔ وہ ہونٹوں کو بھینچے خاموش بیٹھی تکلف برداشت کر رہی تھی' ہاتھ بری طرح سے زخمی ہوا تھا۔ درمیانی انگلی کا ناخن ذرا سا اٹکا ہوا تھا۔ خون وہیں سے تیزی سے نکل رہا تھا اس نے کوئی دوا لگائی تھی جس سے خون کا اخراج بند ہو گیا تھا۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں ہاتھ گاڑی کے دروازے میں دب گیا ہے؟''

''مجھے آپ سے ڈر لگ رہا تھا.....! میں کوئی بھوت پریت ہوں؟ ڈریکولا ہوں جو تمہارا خون پی جاؤں گا۔'' اس نے کہتے ناخن جھٹکا دے کر علیحدہ کر دیا' شدت سے وہ بلبلا اٹھی، بے اختیار نکلنے والی چیخ سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی، اگر یہ ناخن اسی طرح لٹکا رہتا تو اس سے زیادہ درد ہوتا' بار بار درد برداشت

کرنے سے بہتر ہے ایک بار ہی برداشت کر لیا جائے۔'' اتنی شدت تکلیف وہ کوشش کے باوجود برداشت نہ کر سکی اور رونے لگی اس کے رونے پر بے ساختہ اس نے اس کی طرف دیکھا۔

''جو لوگ وقت پر عقل استعمال نہیں کرتے' ان کو پھر رونا پڑتا ہے۔'' وہ اس کی بھیگی آنکھیں اور آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں بولا پھر اس کا درد کیشدت سے کانپتا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر ڈریسنگ کرنے لگا انداز میں بے رحمی تھی۔

☆.....☆.....☆

رباب کچھ دنوں سے دیکھ رہی تھی وردہ زیادہ وقت ہارون کے ساتھ گزارنے لگی ہے۔ انہیں اس کا اس طرح وہاں بھاگ بھاگ کر جانا پسند نہ تھا پھر آج کل ہارون ذہنی و دماغی طور پر الجھا ہوا تھا مسترد ادینہ اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہ تھی۔ کئی ہفتے سے وہ میکے میں تھی، وہ ہارون کے تشدد اور عجیب وغریب رویہ سے خوف زدہ تھی۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ وردہ کو ہارون سے دور رہنے کا کہیں گی اور ان کو موقع مل گیا تھا، وہ کھانے کے بعد اپنے کمرے میں گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی تھیں وہ انہیں دیکھ کر پریشانی سے گویا ہوئی۔

''کیا ہوا آپو..... بہت سیریس لگ رہی ہیں آپ؟''

''بات ہی کچھ ایسی ہے جو مجھے سنجیدہ ہونا پڑا۔''

''ایسی کیا بات ہے آپو؟'' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''وردہ.....تم جانتی ہو نا میں تم سے کس قدر پیار کرتی ہوں' کس قدر فکر رہتی ہے مجھے تمہاری رات و دن میرے اسی سوچ میں گزرتے ہیں کہ جلد از جلد تم بھی اپنے گھر کی ہو جاؤ۔ عمر برف کی مانند ہوتی ہے۔ لمحہ لمحہ پگھلتی جاتی ہے۔'' وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولیں۔

''اس میں کوئی شک نہیں آپ مجھ سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ ممی ڈیڈ کے بعد آپ نے مجھے ماں کا پیار دیا۔ بھائی نے بھی کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ یہ گھر میرا نہیں ہے بھائیوں سے بڑھ کر ہیں وہ۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے جتانے والے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''سب جانتے بوجھتے پھر ہارون سے تعلقات کس نوعیت پر بڑھا رہی ہو؟''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ ہارون سے تعلقات کی نوعیت..... کیا مطلب ہوا اس سوال کا؟'' وہ ان کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر بولی۔

''تم کم عمر نہیں ہو وردہ..... جو تمہیں ایک ایک بات سمجھانی پڑے تم اچھی طرح جانتی ہو ہارون ایک شادی شدہ مرد ہے اور اس کی بیوی بھی یہاں موجود نہیں..... پھر ایسے میں تمہارا وقت بے وقت وہاں جانا کیا معنی رکھتا ہے؟''

''آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں ہارون سے میری پرانی دوستی ہے اور آپ بہن ہو کر اس دوستی کو

غلط رنگ دے رہی ہیں کمال ہے۔'' وہ شانے اچکاتے ہوئے خفگی سے بولی۔

''کوئی دوسرا غلط رنگ نہ دے اس لیے میں تمہیں سمجھا رہی ہوں اپنے بڑھتے قدموں کو روک لو قبل اس کے کہ..... واپسی کا کوئی راستہ نہ رہے۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

بہت خواب
دیکھے تھے.....
بہت سی خواہشیں
کی تھیں.....
مگر.....
ہر خواہش ادھوری رہی
ہر خواب حسرتوں میں بدل گیا
پھر
جانے کیوں
تجھے پانے کی
خواہش کی.....
تیرے ساتھ کا
خواب دیکھا.....

وہ اس کی ڈریسنگ کر کے اپنے بیڈروم کے برابر والے روم میں چلا آیا تھا' دل پر ایک ان دیکھا بوجھ آن پڑا تھا۔ اس کی بے پروائی کی وجہ سے اس لڑکی کا بہت سا خون ضائع ہوا اور وہ جس صبر سے بے انتہا تکلیف تمام راستے بالکل خاموشی سے برداشت کرتی آئی تھی۔ گہری شرمندگی کے ساتھ ساتھ ناچاہتے ہوئے بھی وہ اس کی برداشت و استقامت کا معترف ہو گیا تھا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو قطعی طور پر اتنی تکلیف برداشت نہ کر پاتی کہ جو وہ بہت خاموشی سے سہہ گئی تھی اور اُف تک نہ کیا تھا۔ رات کے آخری پہر وہ بوجھل بوجھل احساسات کے ساتھ نیند کی وادی میں اترا تو برخلاف عادت صبح دیر سے بیدار ہوا تھا۔ وال کلاک کی سوئیاں گیارہ پر براجمان تھیں پردے ہٹا کر ونڈو اوپن کی تو سامنے دور پہاڑوں پر دھوپ چمک رہی تھی وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''اماں بی اور جنت بیٹی ناشتا کر چکی ہیں۔'' رمضان بابا نے ناشتا سرو کرتے ہوئے اطلاع دی۔

''ایک عرصے بعد اتنی گہری نیند سویا ہوں میں۔'' وہ بوائلڈ ایگ پر کالی مرچیں چھڑکتا ہوا گویا ہوا۔

''چلیں اچھا ہے بیٹا..... آپ کی نیند پوری ہوئی صبح کے نکلے آپ رات کو ہی گھر آتے ہیں۔ آپ کے لیے آرام بے حد ضروری ہے اتنی محنت کرتے ہیں آپ۔'' بوڑھے ملازم کے لہجے میں اس کے لیے اپنائیت و شفقت تھی۔ وہ ناشتے کے بعد اماں بی کے کمرے میں چلا آیا سلام کرتے ہوئے وہ چونکا۔

جنت ان کے بیڈ پر بے سدھ سو رہی تھی۔ وہ ایزی چیئر پر بیٹھیں ہاتھ میں تسبیح پکڑے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس کے سلام کا جواب انہوں نے بری سنجیدگی سے دیا تھا۔ ابوبکر کو کسی سنگین گڑبڑ ہونے کا احساس ہوا تھا۔

''آج میں اتنی دیر تک سوتا رہا نانی جان..... آپ نے مجھے بیدار بھی نہیں کروایا اور میرے بغیر ناشتا بھی کر لیا؟'' وہ صوفے پر بیٹھتا ہوا خفگی سے بولا۔

''رات اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے تم نے بیٹا..... نیند تو تمہیں کھل کر آنی تھی۔'' انہوں نے اپنے انداز میں ایک زبانی وار کیا تھا جو پھر پور تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا..... کیا کارنامہ انجام دیا ہے میں نے؟'' وہ چونک کر بولا۔

''کار کے دروازے میں اس کا ہاتھ بری طرح کچل کر رکھ دیا ہے تم نے۔''

''کیا.....؟'' بے ساختہ جنت کی طرف دیکھتا ہوا وہ کہہ اٹھا۔

''اس بے قصور لڑکی کو گھورنے کی ضرورت نہیں۔''

''پھر آپ کو الہام ہوا ہے نانی جان؟'' وہ بری طرح تپا۔

''جو باتیں چہروں پر لکھی نظر آ جائیں تو الہام کی ضرورت نہیں پڑتی ہے' جنت نے تمہاری حمایت میں یہی بتایا ہے کہ اس کی غلطی کی وجہ سے ہاتھ دروازے میں آیا ہے مگر میں جانتی ہوں تمہاری غلطی کی وجہ سے یہ ہوا ہے بلکہ میں کہوں گی تم نے جان بوجھ کر بچی کو تکلیف دی ہے۔'' ان کی انتہا کی بدگمانی نے اسے شدید شاک پہنچایا تھا وہ متحیر رہ گیا۔

''آپ سمجھتی ہیں میں ایسا کر سکتا ہوں؟''

''ہاں بالکل کر سکتے ہو؟ تم نے ایسا کیا ہے کیونکہ تم پہلے تو اسے لانے سے ہی منع کر رہے تھے پھر گئے بھی تو اتنے بگڑے تیوروں سے کہ میں تو پچھتائی تھی تمہیں بھیج کر۔ خاصی دیر انتظار کیا مگر براہو ان دواؤں کا جن کے نشے میں سونے کے بعد صبح ہی میری آنکھ کھلی تھی۔ صبح خاصا دن چڑھنے کے بعد جب میرے کمرے میں جنت نہ آئی تو مجھے عجیب سی بے چینی نے آن گھیرا بولائی ہوئی تمہارے کمرے میں گئی' دستک کے لیے دروازے پر گئی تو دروازہ جو پہلے ہی کھلا ہوا تھا' ہاتھ لگانے سے کھلتا چلا گیا' مجھے شک ہوا تم وہاں نہیں ہو۔'' وہ شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھیں۔

''اوہ..... چوری پکڑی گئی۔'' اس نے بددلی سے سوچا ان کے غصے کی وجہ بھی سمجھ آئی۔

''اندر جا کر دیکھا وہ بیڈ پر تنہا تھی اور بخار میں آگ کی طرح دہک رہی تھی' پورا ہاتھ اوپر تک سوجھ رہا تھا' ڈاکٹر کو بلا کر چیک اپ کروایا بہت درد ہے ہاتھ میں' اپنے ساتھ یہاں لے آئی تھی کہ یہاں میں دیکھ بھال تو کرلوں گی' وہاں لاوارثوں کی طرح پڑی تو نہ رہے گی۔''

''نانی جان......! آپ میری نانی ہیں یا اس کی؟'' وہ بے ساختہ مسکرادیا۔

''جنت پہلے ہی مجھے عزیز تھی اور اب تو قدرت نے اس سے رشتہ بھی بنادیا ہے لہٰذا میں اس کی بھی نانی ہوں۔'' ان کی خفگی کم نہ ہوئی تھی۔

''میں محسوس کررہا ہوں اسکی نانی بننے کے بعد آپ میری جانی دشمن بن گئی ہیں۔''

''ہاں...... ہاں اور بھی کچھ کہنا چاہو وہ بھی کہہ دو' اپنی غلطی پر شرمندہ نہ ہو' دوسروں کو ہی موردِ الزام ٹھہراؤ۔'' یہ تربیت کی ہے میں نے تمہاری ابو بکر...... کتنی شرم کی بات ہے اتنی تکلیف میں جنت تنہا تڑپتی رہی اور تم مزے سے دوسرے کمرے میں سوتے رہے میرے بچے......تم ایسے تو نہ تھے' تم تو زخمی پرندوں کی بھی مرہم پٹی کردیا کرتے تھے۔'' وہ آبدیدہ ہوگئیں۔

''آپ کی لاڈلی کی مرہم پٹی کی تو تھی میں نے' ایسے نہیں چھوڑا تھا۔''

''رات وہاں رکنے میں کیا حرج تھا' آخر کار تمہاری بیوی ہے یہ۔''

''دیکھیے نانی جان......'' وہ ان کی نم آنکھیں صاف کرتا نرمی سے گویا ہوا۔'' میں گستاخی نہیں کررہا ہوں' آپ نے کہا میں اسے اپنے روم میں جگہ دوں' میں نے پورا روم دے دیا۔''

''مگر تم کہاں ہو، خالی کمرے کا وہ اچار ڈالے گی؟'' وہ اس کی بات قطع کرکے ناگواری سے گویا ہوئیں' ان کی تکرار میں جنت بیدار ہوگئی تھی۔

''یہی تو میں آپ کو بتانا چاہ رہا ہوں' وہ میری زندگی میں آگئی ہے میرے دل میں نہیں۔ محبت کا تعلق دل کے رشتوں سے ہوتا ہے بنا محبت رشتہ نبھانا میں منافقت سمجھتا ہوں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''کیا تم دریا کے کناروں کی مانند ساتھ ساتھ چلتے رہو گے اور ملو گے نہیں؟'' وہ یاسیت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''آپ کی خوشی کے لیے یہ کافی ہے کہ ہم ساتھ ہیں۔''

''مجھے اپنی دعاؤں پر پورا یقین ہے دیکھنا ایک دن تم دونوں ایک ہو جاؤ گے اور میں یہ دعا کرتی رہوں گی۔''

''آمین ثم آمین۔'' جنت کے دل سے صدا نکلی۔

☆............☆............☆

گرمی کی دوپہر تھی سب اے سی کی ٹھنڈک میں کمرے بند کیے خوابوں کی وادیوں میں گم تھے۔ وردہ

نے اپنے کمرے سے نکل کر محتاط انداز میں رباب کے کمرے کا جائزہ لیا اور وہاں پھیلا ہوا سناٹا بتا رہا تھا کہ وہ سو رہی ہیں پھر بھی دل کی تسلی کے لیے وہ چند منٹ کھڑی وہاں سن گن لیتی رہی اور جب یقین ہوگیا کہ وہ سو رہی ہیں تو اس نے اطمینان سے ہارون کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے' وہ بڑے بے زار انداز میں بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔

''خاصا بورنگ اسٹائل ہے تمہارا' کیا ادینہ فون ریسیو نہیں کررہی؟'' اسے دیکھ کر بھی اس کے انداز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تو وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پاس رکھے موبائل کو دیکھ کر گویا ہوئی۔

''ایک ہفتے سے اس کا موبائل آف جارہا ہے اس نے سم چینج کرلی ہے۔''

''اوہ......! تم اس سے ملنے نہیں جارہے؟''

''دو تین بار گیا ہوں لیکن اس سے مل نہیں پایا چوکیدار دروازے سے ہی واپس لوٹا دیتا ہے۔'' اس کے لہجے میں خجالت و اشتعال پنہاں تھا اور بار بار بالوں کو ہاتھوں میں جکڑتا پھر چھوڑ دیتا تھا۔

''تم اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے ہو بلاوجہ نخرے دیکھ رہے ہو۔'' اس نے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہمدردی سے کہا۔

''میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا' بہت مشکلات فیس کی بے شمار جھوٹ بولے بے حساب چالیں چلی ہیں۔ جب جا کر وہ میری دسترس میں آئی تھی۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

''آئی تھی اور آکر جا چکی ہے اور اب وہ واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتی۔ تم سے علیحدگی چاہ رہی ہے یہ یاد نہیں ہے تمہیں؟''

''وردہ جاؤ یہاں سے۔'' وہ ایک دم کھڑا ہو کر دہاڑا۔

''کیوں آجاتی ہو روز تم یہاں مجھے ادینہ کے خلاف بھڑکانے کے لیے کتنی بار کہا ہے پیچھا چھوڑ دو میرا' آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں چاہتی کیا ہوں...... ہوں......تم ابھی تک سمجھے نہیں ہو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی ذومعنی لہجے میں گویا ہوئی۔

''نہیں سمجھا' تم سمجھاؤ تو شاید سمجھ جاؤں۔''

''میری آنکھوں میں دیکھو' تمہیں ان میں چاہت دکھائی نہیں دیتی؟ میں تمہاری محبت کی آگ میں کب سے جل رہی ہوں اور تم ہو کہ......''

''کیا کیا...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم، ہوش میں ہو وردہ؟'' اس کی اظہارِ محبت پر وہ حیران و پریشان ہوگیا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے میں ادینہ سے محبت کرتا ہوں۔''

''لیکن وہ تم سے محبت نہیں کرتی' اس نے ابوبکر سے محبت کی اور ابھی بھی وہ اسی سے محبت کرتی ہے۔'' وہ بلا کی پُراعتماد تھی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم' اس نے کل بھی مجھ سے محبت کی تھی اور آج بھی وہ مجھ سے ہی محبت کرتی ہے۔'' اس کے لہجے میں تلخیاں گھلی ہوئی تھیں۔

''اچھا پھر تم تنہا کیوں ہو؟ وہ تم سے علیحدہ ہونا کیوں چاہتی ہے ہارون..... تم سچائی سے نظریں کیوں چرا رہے ہو؟'' وہ اس کے قریب چلی آئی۔'' ادینہ صرف ایک سراب ہے تم کب تک اس کے پیچھے بھاگو گے؟''

''وہ مجھے چھوڑ دے گی' یہ اس کی خوش فہمی ہے اور تم مجھے پالوگی یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ بہتر یہی ہے تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔'' وہ لفظ جما جما کر بولتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا۔

''میں نے تمہاری خاطر کیا کچھ کیا ہے یہ تم فراموش کر چکے ہو' میں نہیں۔ اگر میں نے زبان کھول دی تو تم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

اس کے ہاتھ کا زخم بھر چکا تھا اس دوران اماں بی نے اس کو آنکھ کا تارا بنا کر رکھا ہوا تھا وہ حتی المقدور ابوبکر کی بیگانگی و بے التفاتی کی کمی دور کرنے کی سعی میں مگن رہتی تھیں وہ جس نے اتنی بے لوث محبت و چاہت پانے کا تصور بھی نہ کیا تھا وہ سرشار تھی ان کی شفقتوں کی چھاؤں میں اور کوشش کرتی تھی کہ ان کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو، زیادہ سے زیادہ ان کی خدمت میں جتی رہتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے خوش اور مطمئن تھیں اور ان کی خوشی واطمینان کا گھر میں واحد دشمن ابوبکر تھا' وہ محسوس کر رہا تھا۔ دن بہ دن نانی جان اس سے دور ہو رہی ہیں اور جنت سے قریب۔ یہ اسے کسی صورت گوارا نہ تھا' شعور کی پہلی سیڑھی قدم رکھتے ہی جس ہستی کو اس نے خود سے قریب ومخلص دیکھا تھا وہ فقط نانی جان تھیں یا بڑے ماموں احسان تھے **جو باپ کی طرح** اسے گائیڈ کرتے آئے تھے۔ گزرے حالات نے اُن کو اس سے دور کر دیا تھا وہ بہت کم **اس سے ملتے تھے** اور لگتا تھا نانی جان کو جنت اس سے چھین رہی ہے۔ فقط نانی جان کے علاوہ وہ کسی کو خاطر میں **لانے والا بھی نہ** تھا' کوئی نہ ملے اسے پرواہ نہ تھی مگر نانی اس سے دور ہو جائیں یہ اس کے لیے موت کی مانند تھا۔

''آپ نے مجھے بلایا؟'' وہ ناک کر کے اندر آ کر گویا ہوئی۔

''ہاں بلایا ہے میں نے بیٹھو۔'' وہ بیڈ پر نیم دراز تھا۔

''کافی لاؤں آپ کے لیے؟'' حسب توقع وہ بری طرح ڈری سہمی ہوئی تھی۔

''کافی لانے کا آرڈر میں رمضان بابا کو دے سکتا تھا' تم بیٹھو مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' بلوٹراؤزر وائٹ لوزٹی شرٹ میں ملبوس اسکے وجیہہ چہرے کی سرخیاں خاصی نمایاں تھیں، وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ وہ تیز ہوتی دھڑکن کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی' وہ اٹھا اور دروازہ کھول کر محتاط انداز میں باہر جھانک کر دیکھا پھر دروازہ لاکڈ

کر کے اس کی طرف بڑھنے لگا تھا' اس کی حرکات وسکنات خاصی مشکوک تھیں۔

وہ کیا کرنے والا تھا اس کے ارادے کیا تھے؟ جنت جو اس کا جائزہ لے رہی تھی اپنی طرف اس کو آتے دیکھ رک گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''بیٹھ جاؤ' میں نے تم کو ہڑپ کرنے کی نیت سے نہیں بلایا۔'' وہ بے تکلفی سے اس کے قریب ہی بیٹھ کر بولا۔

''ہاتھ دکھاؤ اب بھی کوئی زخم باقی ہے کیا؟''

''نہیں' بالکل ٹھیک ہو گیا ہے میرا ہاتھ۔'' وہ کنفیوز تھی۔ اس نے بڑے اعتماد سے اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھاما اور گلابی مائل سی لمبی انگلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس فنگر کا ناخن ابھی نہیں آیا؟'' وہ اس کی انگلی دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا جس کا ناخن اس نے کھینچ کر نکالا تھا وہاں زخم ٹھیک ہو گیا تھا اور ابھی ہلکی گلابی اسکن اس پر موجود تھی اور ہلکی سی تکلیف ابھی بھی موجود تھی۔

''تکلیف ہوتی ہے اس میں؟'' اس نے آہستہ سے انگلی دبائی تھی' درد ہونے کے باوجود وہ خاموش رہی تو اس کے چہرے پر کوئی رنگ ابھر کر غائب ہوا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا' ہماری شادی مشروط طور پر قائم رہ سکتی ہے۔ تم کو وہ کرنا ہوگا جو میں کہوں گا' کرو گی نا؟'' بہت حکمیہ انداز تھا اس کا۔

''جی..... جی..... جو آپ کہیں گے وہ کروں گی۔''

''نانی جان کا حکم ماننا چھوڑ دو۔'' بلا کا پُرسکون لہجہ تھا۔

''جی ..... یہ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ بھونچکا رہ گئی۔ اس کی ہرنی کی مانند خوف زدہ نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ صحراؤں جیسی ویرانی، کنوؤں کی مانند گہرائی تھی ان آنکھوں میں اور ان گہرائیوں میں ایک سکوت تھا۔ ایسا پُرہول سکوت جو مقابل کو بھی وحشت زدہ کر دے۔

''میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں کہ..... اماں بی کا حکم نہ مانوں۔''

''میں کہہ رہا ہوں تم اس لیے ایسا کروں گی۔'' اس کا ہاتھ وہ دانستہ اپنے ہاتھوں میں دبائے بیٹھا تھا اس کے انکار پر گھائل انگلی کو دباتے ہوئے غرایا۔

''کہو کرو گی نا..... نانی جان کی ہر بات کی نفی کرو گی نا؟''

''میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟'' درد سے وہ بلبلا اٹھی۔

''جس طرح بھی ہو تم کو ان کی ہر بات سے انکار کرنا ہے۔ ان کو اس حد تک بے زار کر دینا کہ وہ تمہارا چہرہ دیکھنا پسند نہ کریں۔'' اطمینان سے اس کی انگلی دبائے کہہ رہا تھا اور درد کی شدت سے وہ بے آواز رونے لگی تھی اس کے بہتے آنسو بھی اس کٹھور کو نرم نہ کر سکتے تھے۔

''میں ایسا نہیں کروں گی ہرگز نہیں کروں گی۔'' درد کی شدت نے اس کے اندر عجیب سی بے خوفی بھر دی تھی۔

''چٹاخ.....'' اس نے غصے سے پھرتے ہوئے پوری شدت سے اس کے رخسار پر تھپڑ جڑا تھا۔ وہ جو پہلے ہی درد سے بے حال تھی، بھرپور تھپڑ کی تکلیف بالکل سہہ نہیں پائی ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر اس کے ہاتھوں پر ہی گر گئی۔

''اوہ یہ کیا مصیبت ہے؟'' اس نے اسے اٹھا کر بیڈ پر ڈالا۔ اس کی بے ہوشی نے اس پر اتنا اثر نہ ڈالا تھا' جتنا وہ اس کے صاف و شفاف رخسار پر فوراً ابھر آنے والے اس کی مضبوط انگلیوں کے نشان تھے جو سرخی کی صورت میں ابھر آئے تھے اور بے حد واضح تھے۔

''نجانے یہ کیا ہو رہا ہے میں سیدھی چال چلتا ہوں اور خود بخود سب کچھ الٹ ہوتا چلا جاتا ہے۔ نانی جان پہلے ہی مجھ سے خفا ہیں اب اگر انہوں نے اس کے چہرے پر نشان دیکھ لیا تو سمجھ جائیں گی، مارا ہے میں نے اور پھر نامعلوم کس انداز میں خفا ہوں گی۔'' جنت بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی اس کا چہرہ ابھی آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا' بائیں رخسار پر انگلیوں کا نشان نمایاں تھا۔ ابوبکر دونوں ہاتھوں میں سر تھامے پریشان کھڑا تھا بہت عرصے بعد اس کے چہرے کی سنگلاخ سنجیدگی برف کی طرح پگھلی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا ایسا کیا طریقہ ہو کہ اس کے رخسار پر موجود تھپڑ کا نشان نانی جان کی نگاہوں میں نہ آئے کیونکہ وہ جانتا تھا اسے ڈرا دھمکا کر نانی سے شکایت کرنے سے باز رکھ سکتا تھا۔

جنت کو ہوش میں لانے کی سعی اس نے قطعی نہ کی تھی اگر فکر تھی تو صرف نانی کی ناراضگی و خفگی کی' وہ ساری دنیا کی خفگی برداشت کر سکتا تھا' پوری دنیا کے لوگوں کی اسے ضرورت نہ تھی، ضرورت تھی تو فقط نانی کی' پرواہ تھی تو تنہا نانی کی اور سوچتے سوچتے دماغ شل ہو گیا تھا نہ کوئی ترکیب ذہن میں آنی تھی نہ آئی وہ ٹہل ٹہل کر تھک گیا تھا پھر اسے خیال آیا جنت کو یہاں آئے خاصا وقت گزر گیا ہے۔ نانی کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو اس خیال کے آتے ہی وہ وہاں سے نکل کر ان کے روم میں آیا تھا۔ وہ بستر پر دراز بے خبر سو رہی تھیں وہ کچھ دیر کھڑا وہاں ان کو دیکھتا رہا پھر بے آواز چل چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

رات کے کسی پہر جنت کی آنکھ کھلی اور آنکھ کھلتے ہی حواس بیدار ہو گئے تھے۔ انگلی میں اٹھتی ٹیسیں اور بائیں رخسار کا بھاری پن ایک لمحے کے لیے اس کی یادداشت سے وہ لمحے محو نہ ہونے پائے تھے جن لمحوں میں اس ظالم شخص نے اپنی بربریت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں سنا تھا وہ ظالم تھا' وہ حیوان تھا وہ لٹیرا تھا۔ صرف ایک گواہی اس کے خلاف جاتی تھی' وہ سب تھا مگر عصمت کا دشمن نہ تھا۔ جان کا دشمن تھا' کسی کو اذیت دینے میں اسے ذرا جھجک نہ آتی تھی جس طرح سے اس نے اس پر اپنی منوانے کے لیے ٹارچر کیا تھا اور پلٹ کر دیکھا بھی نہ تھا' یہ خیال آتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا جس کی نیلگوں روشنی میں طمانیت آمیز ٹھنڈک ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کاؤچ پر دراز کسی میگزین کے مطالعہ میں مصروف تھا آہٹ پر مڑ کر دیکھا اور اسے بیدار دیکھ کر میگزین نیپلر رکھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''امید ہے ہوش ٹھکانے آ گئے ہوں گے۔'' وہ گردن جھکائے بیٹھی رہی۔

''آئی نو' تم اب پلاننگ کر رہی ہو گی کہ نانی جان سے میری شکایت لگانے کی تاکہ تمہیں مزید ریلیف مل جائے اور تم ان کو مجھ سے زیادہ دور کر سکو۔'' وہ اپنے رویہ پر شرمندہ ہونے کے بجائے الٹا اسے الزام دے رہا تھا۔'' یاد رکھنا' تم نے نانی جان کو ایک لفظ بھی بتایا تو وہ تمہارا اس گھر میں آخری دن ہو گا ایک لمحے میں تمہیں نکال کر باہر کروں گا۔''

''یہ کیسی محبت کرتے ہیں آپ اماں بی سے ایک طرف ان کی حکم عدولی کرنے کا مجھے کہتے ہیں اور پھر مجھے ہی.....''

''شٹ اپ! میں کوئی بکواس برداشت نہیں کروں گا' نانی جان میرے لیے کیا ہیں اور میں کیا چاہتا ہوں یہ ان کا اور میرا معاملہ ہے۔'' غصے سے جتایا۔

''پھر آپ کیوں چاہتے ہیں میں اماں بی کی حکم عدولی کروں؟ کیا آپ یہ بات برداشت کر لیں گے کہ ان کی بات روکی جائے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''دراصل بات یہ ہے کہ نانی جان تمہیں لے کر میرے معاملے میں بے حد حساس ہو رہی ہیں۔ ان کا خیال ہے میں تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں' تمہیں تمہارا حق نہیں دے رہا' وغیرہ وغیرہ اس سارے معاملے کو ایشو بنا کر وہ مجھ سے دن بہ دن دور ہوتی جا رہی ہیں۔ ان کا یہ رویہ مجھے اپ سیٹ کیے ہوئے ہیں۔ میں نے کبھی وہ کام نہیں کیا جس پر میرا دل راضی نہ ہو، میں سمجھتا ہوں جسموں کے ملاپ سے زیادہ دلوں کا ملاپ ضروری ہے ورنہ ہوس و حق میں رتی برابر فرق نہیں رہتا ہے۔ حق سرخرو کرتا ہے' ہوس رسوا کر دیتی ہے۔'' اس کے لہجے میں نرمی در آئی تھی رسانیت سے بول رہا تھا۔

''میں تم سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی اب محنت مجھے کسی سے ہو گی۔ محبت کے لیے جو دروازہ کبھی وا ہوا تھا وہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور اس دروازے میں لگی چابی گم ہو چکی ہے۔ تم جس طرح میری زندگی میں آئی ہو اسی طرح خاموشی سے واپس بھی چلی جاؤ۔'' وہ بڑی سفاکی سے اس کی انا و خودداری پر وار پر وار کر رہا تھا وہ ہونٹ کاٹتی خود کو دلاسہ دے رہی تھی۔ اندر کی بیدار ہوتی عورت کو تھپک رہی تھی کیونکہ اماں بی نے نصیحت کی تھی سب کچھ کرنا مگر کبھی بھی اندر کی سوئی عورت کو جاگنے نہ دینا۔ وہ ایک بار بیدار ہو گئی تو ہمیشہ کے لیے رشتہ تہس نہس ہو جائے گا پھر کہاں کا صبر، کیسی برداشت' سب مٹی میں رُل جائے گا۔

''آپ بے فکر رہیں' میری طرف سے کبھی کوئی ڈیمانڈ نہیں ہو گی۔''

''لیکن..... یہاں نانی جان مداخلت کرتی ہیں۔'' وہ زچ ہوا۔

''میں سنبھال کرلوں گی انہیں آئی پرامس یو۔''

''اچھا.....'' وہ وہاں بیٹھا تو وہ دور کھسک گئی تھی۔

''یہ جو تمہارے چہرے پر نشان آیا ہے اس نشان کو کس طرح چھپاؤ گی؟''

''چھپالوگی یہ میرا ہیڈک ہے۔'' اس کا لہجہ پُر اعتماد تھا۔

''ہوں..... آل رائٹ جیسا کہا ہے ویسا ہی کرنا۔ دوسری صورت میں میں کیا کرسکتا ہوں' اپنا انجام جانتی ہو تم۔'' وہ دھمکی دیتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

جو کام محض نفس کی تسکین اور انا کی بقا کے لیے کیا جائے وہ چند دنوں کی خوشی کا باعث ضرور بنتا ہے مگر ایسی خوشی کی عمر بے حد مختصر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ جڑے ہوئے دکھ پچھتاووں کا سلسلہ بہت طویل ہوتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتا ہے پھر حاوی ہوتا چلا جاتا ہے اور انسان سوچتا ہے۔ کاش جو اس نے کیا وہ نہ کیا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا' ایسے ہی ملال و پچھتاووں میں ان دنوں ہارون گھرا ہوا تھا۔ بلاوجہ ابوبکر کے ساتھ انا کی جنگ شروع کی اور جس کو جیتنے کے لیے ضمیر کا سودا کیا تھا۔ مکاریوں' چالاکیاں' جھوٹ و بہتان کو ہتھیار بنا کر وہ خود ساختہ جنگ جیت کر اکڑا اکڑ کر چلنے لگا تھا۔

ادینہ کو جیت کر گویا دنیا فتح کر چکا تھا لیکن وہ فتح کا سرور، محبت کا گھمنڈ اتنی ہی زندگی لے کر نمودار ہوا تھا جتنا پانی میں پیدا ہونے والے بلبلے کی ہوتی ہے ادینہ کو پانے کی ساری تدبیریں، تمام سازشیں سانپ بن کر گلے سے چمٹ گئی تھیں اور اسے ہر لمحہ ڈسنے لگی تھیں۔ اسے معلوم تھا وردہ ابوبکر کو پسند کرتی ہے اس کی خواہش پر ہی رباب نے ابوبکر کو پرپوز کیا تھا جس کا ردعمل اس کی طرف منفی آیا تھا تب سے ہی وردہ کے دل میں انتقام کی آگ سلگنے لگی تھی۔ اس نے جب سے ابوبکر کے موبائل میں ادینہ کی سیلفیز دیکھی تھیں اور اسکی خوب صورتی پر دل ہار بیٹھا تھا کیونکہ ابوبکر سے دوستی کا وہ دعوے دار ضرور تھا مگر وہ اس کی دولت و جاہت و اسمارٹنس سے جلتا تھا۔ جب دو انسان کسی کی تباہی کا منصوبہ بنالیں تو قسمت سے ہی شکار ہونے والا شخص بچ سکتا ہے اور اس وقت اس کی تقدیر نے یاوری نہیں کی تھی وہ اس سے اور وردہ سے شکست کھا گیا تھا اور اس کے ساتھ وہی ہوا تھا جیسا انہوں نے چاہا تھا۔

آج کا دوست کل کا دشمن ثابت ہوتا ہے اسی لیے اپنے رازوں کی حفاظت دوستوں سے بھی کرنے کا بتایا گیا ہے۔ کل وردہ اسکی بہترین دوست تھی' اکلوتی رازداں تھی' ابوبکر کے ساتھ کیے گئے ڈرامے کا اسکرپٹ اس نے ہی لکھا اور اداکاری بھی خود ہی کی تھی اور لاجواب پرفارمنس دی تھی۔ آج بدلتے وقت کے ساتھ وہ بدترین دشمن تھی وہ اس کو متعدد بار شادی کی آفر کر چکی تھی اور اس نے ہر بار انکار کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا وردہ آزاد خیال و

بے باک لڑکی ہے لڑکوں سے اس کی دوستیاں تھیں۔ رباب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہ ٹورز پر جایا کرتی تھی۔ ایک طرف وہ ادینہ کی ہٹ دھرمی سے پریشان تھا جو میکے جا کر آنے کا نام نہیں لے رہی تھی' تو دوسری طرف وردہ شادی نہ کرنے کی صورت میں بلیک میل کر رہی تھی کہ اس کا سارا کچا چٹھا گھر والوں کے اور ادینہ کے سامنے کھول دے گی دونوں صورتیں ہی ناقابل برداشت تھیں۔

گھر والوں کو علم ہوگیا تو پھر وہ تاحیات ان سے نگاہیں ملانے کا اہل نہ رہے گا اور ڈیڈی جنہوں نے ہمیشہ ابوبکر کو اس پر فوقیت دی تھی۔ وہ کبھی بھی اسے معاف نہیں کریں گے اور ادینہ..... وہ کبھی پلٹ کر نہیں آئے گی۔ سوچوں کے صحرا میں ننگے پاؤں تپتی ریت پر وہ سرگرداں تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جسے وہ اپنے جلتے دل کا حال سنائے بچپن سے اس نے اپنی ماں سے گائیڈ لائن حاصل کی تھی اور اسے اب سمجھ آئی تھی کہ ماں کی تربیت میں کمی تھی۔ ماں کو صرف ماں ہونا چاہیے صرف اپنی بچوں کی ماں نہیں بننا چاہیے' ماں کی شان و یکسانیت و برابری زیب دیتی ہے جو خوبیاں جو اچھائیاں و خیرخواہی وہ اپنے بچوں کے لیے چاہتی ہے بالکل ایسی ہی سوچیں دوسرے بچوں کے لیے رکھنی چاہیں۔ اس کی ماں نے اس کی خاطر ہر خواہش بغیر کہے پوری کی تھی۔ وہ بہن بھائیوں میں بڑا تھا' اسے محبت بھی زیادہ ملتی اور چاہتیں بھی ابوبکر والدین کے سائے سے محروم تھا۔ دادی جان اس کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں اور یہ نہ اس کی ماں کو پسند تھا نہ رباب آنٹی کو، وہ سب کی موجودگی میں ابوبکر کو دکھاوے کا پیار کرلیا کرتی تھیں اور تنہائی میں یہ شکوے کرتی دکھائی دیتیں کہ وہ لڑکا ان کے بچوں کے حصے کی محبتیں ہڑپ کر رہا ہے اور یہیں سے اس کی دل میں اس کے لیے بغض پیدا ہوا اور وہ کبھی مانگ کر کبھی چرا کر اور کبھی چھین کر اس کی پسندیدہ و ضروری چیزیں لینے لگا تھا۔ اس چھینا جھپٹی میں ہمیشہ ماں کا تعاون حاصل رہا' انہوں نے ہر بار یہی کہا'' یہ تمہارا حق ہے'' اگر وہ اسکی پہلی حرکت پر ہی تھپڑ لگا دیتیں یا سرزنش کر دیتیں کہ یہ برا کام ہے آئندہ نہیں کرنا' وہ کبھی نہ کرتا لیکن وہ صرف اس کی ماں تھیں ابوبکر کے لیے صرف ایک حاسد و کم ظرف عورت۔ آج اس خودغرض ماں اور کم ظرف عورت کو بھی سزا مل رہی تھی۔ کچن میں فرش پر کانچ کا ڈنر سیٹ ٹوٹ کر بکھرا پڑا تھا۔ نفیسہ دوپٹے میں منہ چھپائے رو رہی تھیں' رباب قریب کھڑی ان کو دلاسے دیتی ساتھ بکھرے ڈنر سیٹ کو بھی تاسف سے دیکھ رہی تھیں۔

''بھابی..... آپ کیوں اس قدر رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہیں' آپ کو معلوم ہے ہارون کی ذہنی حالت درست نہیں۔ اللہ جانے کیا ہوگیا ہے اسے؟ بالکل بدل کر رہ گیا ہے وہ۔'' وہ رباب نفیسہ کو پانی کا گلاس دیتی گویا ہوئی۔

''کسی کی نظر لگ گئی ہمارے خوشیوں بھرے گھر کو' سمجھ نہیں آتا ایسا کیا ہوا ہے کن بلاؤں نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے؟ ہارون کی حالت ابوبکر جیسی ہوگئی ہے جیسے وہ گھر سے نکالے جانے کے بعد ہنسنا' مسکرانا بھول کر گم صم ہوگیا تھا۔''

''ارے آپ ہارون کو کہاں اس بدمعاش سے ملا رہی ہیں' اس نے گناہ کیا تھا' قصوروار ہے وہ۔'' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کچن سے باہر لے آئی تھیں۔

''یہی سوچ رہی ہوں' ایسے قبیح فعل کو انجام دینے کے بعد بھی ابوبکر کی حالت میں ایسی دیوانگی نہیں آئی ہے جو ہارون کے مزاج میں در آئی ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہیں نہ کہیں کچھ گڑ بڑ ضرور ہے۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

''کیسی گڑ بڑ بھابی؟' وہ بھی چونک کر گویا ہوئیں۔

''یہ مجھے خود بھی معلوم نہیں ہے لیکن ہارون کا تیزی سے بگڑتا ہوا مزاج بات بے بات غصہ کرنا' معمولی باتوں پر توڑ پھوڑ کرنا' اس کے پیچھے کوئی بڑی وجہ ہے' کوئی انجانا سچ چھپا ہے اس سب کے پیچھے۔''

☆.....☆.....☆

اماں بی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ جنت کی وجہ سے میڈیسن ان کو ٹائم پر ملتی تھی وہ اپنی بساط سے بڑھ کر ان کا خیال رکھا کرتی تھی مگر وہ پرہیز کو فوقیت نہ دیا کرتی تھیں۔ بیماری کوئی بھی ہو دوا سے زیادہ پرہیز فائدہ پہنچاتا ہے۔ پرہیز کے معاملے میں وہ کسی سے بھی کمپرومائز کرنے کو تیار نہ تھیں اور یہی وجہ تھی کہ ان کو مسلسل شوگر' بلڈ پریشر اور سلو ہارٹ بیٹ کی شکایت عموماً رہنے لگی تھی پھر وہ ہسپتال جانے سے بھی کتراتی تھیں۔

''نانی جان..... نہ آپ ہسپتال جانے کو تیار ہیں اور نہ پرہیز کرنے کو راضی ہیں' آپ ہی بتائیے اس طرح آپ تندرست کس طرح ہوں گی؟'' صبح سے وہ بہت نقاہت محسوس کر رہی تھیں۔ ابوبکر نے بہت چاہا وہ چیک اپ کروالیں مگر کسی صورت ہسپتال جانے کو راضی نہ ہوئیں تو اسے کال کر ڈاکٹر کو گھر پر ہی بلوانا پڑا اور چیک اپ کے بعد جو رپورٹ دے کر گیا تھا وہ بالکل بھی اچھی نہیں تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا..... تم پریشان ہوگز مت ہوا کرو۔''

''کیسے نہ ہوا کروں؟ آپ کے علاوہ میرا ہے کون آپ کو میرا بھی خیال نہیں۔'' وہ ان کے سر کا دوپٹہ درست کرتا ہوا فکرمندی سے بولا' جنت بھی پریشان سی بیڈ کے قریب کھڑی تھی۔

''ایک عرصہ تمہارا خیال رکھا ہے ابوبکر..... اب مجھے تم اس ذمہ داری سے آزاد کردو۔'' وہ آنکھیں بند کرتی ہوئیں کمزور لہجے میں گویا ہوئیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہیں ہیں نانی جان.....! مجھ سے آپ ناراض ہیں' کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے؟'' وہ تڑپ اٹھا۔

''نہیں نہیں..... میری جتنی بھی تم سے ناراضگی تھی شکوے شکایات تھیں وہ سب تم نے جنت سے شادی کر کے ختم کر دی ہیں اب مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں بس ایک التجا ہے اگر مانو تو۔''

''التجا نہیں نانی جان..... حکم دیجیے آپ۔'' وہ ان کا ہاتھ چومتا ہوا بولا۔

''جنت کو کبھی کوئی دکھ مت دینا' خواہ میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ میں نے جنت کے مرتے ہوئے باپ سے وعدہ کیا تھا' جنت کو خوش رکھنے کا میرا وعدہ تمہیں نبھانا ہے' میرے قول کو سچ ثابت کرنا ہے۔'' وہ حسب عادت جنت جنت کا راگ الاپ رہی تھیں پھر اس سے عہد و پیمان کر کے وہ دواؤں کے زیر اثر سو گئی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ نانی جان سے کوئی بات نہ کرنا پھر بھی تم نے ان کو سب کچھ بتا دیا' کیوں کیا تم نے ایسا بتاؤ؟''

اماں بی کے سونے کے بعد وہ اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے کر آیا اور کارپٹ پر پھینکتا ہوا دہاڑا۔

''میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''جھوٹ مت بولو نانی جان جس انداز میں بات کر رہی تھیں، اس سے صاف ظاہر تھا تم ان کو ایک ایک بات بتا چکی ہو۔''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں نے اماں بی کو کچھ نہیں بتایا۔'' وہ اس کی شرر بار نگاہیں خود پر شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

''جنت کی گردان وہ ایسے ہی نہیں کرنے لگی ہیں' ضرور تمہاری کوئی چال ہے۔ تم ان کو میرے خلاف کرنے میں کامیاب ہوگئی ہو۔''

''آپ کے خلاف..... میں ایسا کیوں کروں گی؟ آپ نے مجھے دل سے قبول نہیں کیا یہ آپ کی مرضی لیکن میری زندگی میں آنے والے آپ پہلے اور آخری مرد ہیں زندگی کی آخری سانس تک آپ کا نام میرے نام کے ساتھ لگا رہے گا۔ آپ کو میرا ساتھ ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہیں مگر میں نے آپ کا ساتھ اس دنیا تک سوچا ہے جہاں ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔'' وہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی اور ابوبکر ششدر رہ گیا تھا۔

جنت نے جذبات میں آ کر دل کی بات کہہ دی تھی اور جیسے ہی اپنے کہے گئے لفظوں کا احساس ہوا تھا وہ پھر ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہر نہ سکی تھی تقریباً وہاں سے بھاگتی ہوئی وہ ٹیرس پر آ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ باہر ہر سو سبزہ ہی سبزہ تھا۔ خوبصورت ہریالی تھی بلند و بالا پہاڑوں کی کوکھ سے گرتے جھرنے روح پرور مناظر پیش کر رہے تھے۔ وہ کافی دیر تک آنکھیں بند کیے ناہموار سانسوں کو ہموار کرنے کی سعی میں مگن رہی تھی بلاشبہ جو اس نے کہا وہ ایک ایک لفظ سچا تھا' نامعلوم نکاح کے مقدس بندھن کی تاثیر تھی یا اس کی مردانہ وجاہت کی کشش وہ اس کی محبت میں خود کو فراموش کر بیٹھی تھی بہت عجیب محبت تھی اس کی۔ وہ اس سے خوف زدہ بھی رہتی تھی اور محبت بھی کرتی تھی اور یہاں اس کے جذبوں کو خود اعتمادی دینے میں چاہت کو ابھارنے میں اماں بی کا ہاتھ تھا۔ وہ موقع ملتے ہی اسے اس کے قریب جانے کی' اپنی طرف راغب کرنے کی ترغیب دیا کرتی تھیں۔

ابھی وہ اپنے دل کو سنبھال ہی پائی تھی کہ رمضان بابا نے وہاں آ کر شریفہ کے فون آنے کی اطلاع دی وہ ان کے پیچھے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

''جنت..... تم تو اپنے ٹھاٹ باٹ میں وہاں جا کر ایسی مست ہو گئی ہو کہ غریبوں کا تمہیں خیال بھی نہیں آ رہا ہے کہ ہم کس حال میں جی رہے ہیں؟'' فون پر اس کی آواز سنتے ہی وہ اپنے مخصوص انداز میں شروع ہو گئی تھیں۔

''کیا ہوا چھوٹی ماں..... کیوں اتنے غصے میں ہو؟ دو دن پہلے تو بات کی ہے تم سے اور صدف سے اب روز روز فون کرنا مناسب نہیں ہے۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''دل پر ہاتھ رکھ کر کہو تم اپنی سگی ماں سے بھی یہی کہتیں کہ روز روز بات نہیں کر سکتی؟ ہم سوتیلے ہیں اس لیے ہماری تمہیں بالکل فکر ہے نہ پروا۔''

''تم بار بار سوتیلے پن کو کیوں درمیان میں لاتی ہو ماں؟''

''تم مجبور کرتی ہو مجھے درمیان میں لانے کے لیے' اگر تم نے ہمیں سگا سمجھا ہوتا آج ہم بھی شاندار کوٹھی میں بیٹھ کر تیری طرح مزے کر رہے ہوتے نہ کے اس دو کمرے کے بوسیدہ کوارٹر میں پڑے ہر وقت اپنے نصیبوں کو رو رہے ہوتے۔'' اس کی رونے کی بھونڈی آواز ریسیور سے گونجنے لگی۔

''پلیز چھوٹی ماں..... روؤ تو نہیں۔'' وہ پریشان ہونے لگی۔

''کیوں نہ روؤں جب مقدور میں رونا لکھا ہے تم نے ابھی تک بہروز کی نوکری کی بات بھی نہیں کی۔ تم چاہتی ہی نہیں ہو ہمارے دن بدلیں' ہم بھی زندگی کا سکھ دیکھیں۔ یہ بھی اوپر والے کا کام ہے کسی کو چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے اور ہم جیسوں کو صرف چھپڑ ہی دیتا ہے۔'' اس کے لہجے میں صرف حسد و ناشکری تھی۔

''ایسا مت کہو چھوٹی ماں..... میں بہت جلد بہروز بھائی کی نوکری کی بات کروں گی۔ مجھے موقع کی تلاش ہے اور جیسے ہی موقع ملا میں ضرور بات کروں گی، تم بالکل بھی پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تمہاری ان جھوٹی تسلیوں پر مجھے اعتماد نہیں ہے مگر کیا کروں مجبوراً اعتبار کرنا پڑے گا۔ بس آج کل میں بہروز کی کسی اچھی سی جگہ نوکری لگواؤ اپنے خاوند سے کہہ کر۔'' عجب دھونس بھرا لہجہ تھا۔

''میں کوشش کروں گی' چھوٹی کیسی ہے اب تو کئی ماں کی ہو گئی ہو گی، اس نے بیٹھنا سیکھا ہے یا نہیں؟'' بھانجی کے لیے اس کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

''ارے ابھی کہاں بیٹھنا سیکھنا ہے کمزور بچی ہے وہ ہی بات ہے غربت کی مارہ ننھی سی جان بھی جھیل رہی ہے۔ اب تم ہی جو ہم سب کے دن بدل سکتی ہو۔'' اس کی وہی مرغ کی ایک ٹانگ تھی۔

''توبہ ماں..... کیسی فضول بات کر رہی' وہ دن بدلنے والی صرف اللہ کی ذات ہے اس کے ہی حکم سے سب بدلتا ہے۔ ایسی باتیں کر کے مجھے کیوں گناہ گار کر رہی ہو ایسی باتیں اچھی نہیں ہوتیں۔'' وہ جاہل وان

پڑھ عورت تھی، اللہ کی حکمتوں کو نہ جاننے والی جنت اس کی بات پر تھرا کر رہ گئی اور اسے سمجھانے لگی تھی جواباً وہ اپنی ہی کہنے میں مصروف رہی تھی۔

جنت کی خوشیاں اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھیں، اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس سے چھین کر صدف کے مقدر میں ڈال دیتی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے ہم کسی سے ملتے ہیں تو بعد میں پچھتاوا ہوتا ہے کاش! ہم ان سے نہ ملے ہوتے اور کسی سے بات کر کے لگتا ہے کہ ان سے بات ہی نہ کی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ شریفہ بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل تھی جس سے ملنے بات کرنے کے بعد وہ کئی دنوں تک ملال کا شکار رہا کرتی تھی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ صرف اماں بی کے دم سے وہ اس گھر میں موجود ہے اور جس کے نام سے وہ یہاں آئی ہے' وہ بے حس شخص تو ہر لمحہ اسے یہاں سے نکالنے کی خواہش میں جیتا ہے۔

☆.....☆.....☆

جنت سے بات کرنے کے بعد وہ اسے کوس رہی تھی، قریب بیٹھی صدف اپنی بیٹی کو سری لیگ کھلا رہی تھی۔ بچی خاصی صحت مند گول مٹول سی تھی اور بیٹھنا سیکھ چکی تھی، صدف نے منہ بنا کر کہا۔

''اماں..... تمہیں فاطمہ کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''پیسہ ایسے ہی نہیں بٹورا جاتا بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اب میں اسے کیا بتاتی کہ تمہاری بیٹی موٹی تازی ہو رہی ہے پھر کر لینا تھا اس نے خیال۔''

''چربی تو تم پر بھی خوب چڑھ رہی ہے اور لگتا ہے دماغ پر بھی زیادہ چڑھ گئی ہے جب ہی جھوٹ بولتے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ جنت نے یہاں آ کر دیکھا تو سارا جھوٹ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔''

''ارے یہ بھی خوب ہے بھئی، میں یہ سب تمہارے اور فاطمہ کی خاطر کر رہی ہوں' مجھے اپنی فکر نہیں ہے تم لوگوں کی فکر ہے اور رہی بات جنت کے یہاں آنے کی تو وہ جب یہاں آئے گی دیکھا جائے گا۔'' ابھی وہ بحث میں مصروف ہی تھیں۔ کہ بہروز عجلت میں اندر آیا۔

''اماں..... وہ صاحب آئے ہیں۔'' وہ بہت حیران پریشان تھا۔

''کون صاحب آئے ہیں' کس کی بات کر رہے ہو؟''

''وہ..... ابوبکر صاحب..... جنت بہن کا شوہر۔'' ابوبکر نام سنتے ہی وہ دونوں بھی بوکھلاہٹ کے ساتھ گھبرا کر کھڑا ہوئی تھیں۔

''وہ بن بلائے کیسے آ گئے؟ وہ تو بلانے سے بھی آنا پسند نہیں کرتے۔'' صدف بچی کو اٹھا کر اندر چلی گئی تھی تاکہ حلیہ درست کر سکے اور شریفہ نے جلدی سے ہاتھ سے بال درست کیے اور شال اوڑھی تھی۔ بہروز جو اطلاع دے کر الٹے پاؤں واپس گیا تھا' چند لمحوں بعد ابوبکر کے ہمراہ اندر آیا تھا۔ لائٹ کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس اس کی وجیہہ شخصیت اس چھوٹے سے صحن میں خوب نمایاں لگ رہی تھی سارا ماحول اس کے لباس سے

پھوٹتی خوشبوؤں کے حصار میں مہک اٹھا تھا۔

''سلام صاحب! آپ ہمارے گھر آئے ہیں ہمارے تو نصیب جاگ گئے ہیں آیئے تشریف رکھیے۔'' شریفہ کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے وہ تابعداری میں بچھے جا رہی تھی اور اسے کچھ دیر قبل جنت سے کی جانے والی اس کی خودغرضی اور حاکمیت سے بھری گفتگو یاد آ رہی تھی۔ اس مکار اور لالچی عورت پر اسے پہلے دن سے بھروسہ نہ تھا پھر جیسے ہی رمضان بابا نے فون کی اطلاع دی تھی اس نے خاموشی سے ایکسٹینشن پر ساری گفتگو سنی تھی اور ایک فیصلہ کر کے یہاں چلا آیا تھا۔

''یہ جگہ آپ کے شیان شان تو نہیں ہے مگر.....'' شریفہ اسے ہنوز کھڑا دیکھ کر سامنے رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہی تھی اور اس نے کھڑے کھڑے گھر کا جائزہ لیا تھا۔ گھر چھوٹا ضرور تھا لیکن ضرورت زندگی کی آسائشات سے بھرا ہوا تھا ایک ملازمہ کچن میں مصروف تھی، گھر ہر طرح سے آسودہ حالی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں۔'' اس کے اصرار پر وہ سخت لہجے میں بولا۔ ''اس بیگ میں اتنا روپیہ ہے جس سے تم کوئی من پسند کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی بہترین گھر بھی خرید سکتے ہو۔'' اس نے ہاتھ میں تھاما ہوا بیگ بہروز کو دیتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ کو جنت کو فون کر کے پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ شریفہ کی طرف دیکھ کر سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ شریفہ نے لپک کر بہروز کے ہاتھوں سے بیگ جھپٹا تھا اور زپ کھول کر اندر لال لال نوٹوں کی گڈیاں دیکھتے ہوئے خوشی سے تھرتھراتی آواز میں گویا ہوئی۔

''نہیں نہیں..... اب تو وہ خواب میں بھی میری آواز نہیں سنے گی۔''

''اگر تم نے بھول کر بھی جنت سے دوبارہ پیسہ مانگنے کے لیے رابطہ کیا تو سوچ لینا تمہاری زندگی پھر آخری سانس تک جیل میں گزرے گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں' میں جنت کو اب کبھی تنگ نہیں کروں گی۔ شریفہ نے بیگ کی زپ بند کر کے سینے سے لگا لیا تھا۔

''صاحب ٹھنڈا گرم کچھ تو لیں آپ ہمارا گھر میں پہلی دفعہ آیا ہے۔'' خاموش کھڑے بہروز نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔

''نہیں شکریہ..... میں چلتا ہوں۔'' وہ کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ ڈرائیور کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ آئندہ جنت کو یہاں نہ لائے۔ ابوبکر کے جاتے ہی شریفہ نے ملازمہ کو چھٹی دی اور دروازہ بند کر کے صدف کے کمرے میں آئی تھی جو بچی کو کپڑے بدلا رہی تھی۔ شریفہ نے بیگ بیڈ پر الٹ دیا تھا نوٹوں کی گڈیوں کا ڈھیر دیکھ کر ماں بیٹی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''اُف اتنا روپیہ..... یہ لاکھوں کی تعداد میں ہے۔'' صدف نے دونوں رخساروں پر ہاتھ رکھتے

ہوئے حیرانی سے کہا۔

''بہروز..... اندر آؤ میں نے ایک بات سوچی ہے جس پر ابھی سے عمل کرنا ضروری ہے۔'' شریفہ نے سنجیدگی سے بہروز کو آواز دی۔ شریفہ کو رقم دیکھ کر یہ ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبکر کا ارادہ بدل جائے اور وہ رقم واپس لے جائے۔ اس خوف سے شریفہ گھر چھوڑ کر آزاد کشمیر چلی گئیں تھیں اور وہیں بہروز کو کاروبار کروایا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابوبکر نے شریفہ کو رقم دے کر آنے کا ذکر نہ اماں بی سے کیا تھا نہ جنت سے' کیونکہ وہ رقم جنت کی محبت میں ہرگز دے کر نہ آیا تھا بلکہ وہ شریفہ کی نیچر سمجھ گیا تھا کہ وہ لالچی اور ظالم عورت ہے جس کا دین و ایمان صرف پیسہ ہے اور ایسے لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ خالد ماموں لمبے عرصے کے لیے بزنس کے لیے جرمنی جانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے وہ کال کر کے اماں بی کو کئی بار کراچی واپس آنے کا کہہ چکے تھے اور احسان ماموں کے دل سے بھی خفگی اور بے گانگی کی برف پگھلنے لگی تھی۔ وہ اماں بی کے علاوہ ابوبکر سے بھی کراچی آنے کا کہہ چکے تھے گو کہ ان کے لہجے میں پہلے جیسی بے تکلفی و شگفتگی نہ رہی تھی۔

جب رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں پھر لہجوں میں تکلف و بے گانگی جگہ بنا لیتی ہے اور اپنے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ نانی ہونے کے ساتھ ایک ماں بھی تھیں، اولاد کی بے سروپا باتوں و گستاخانہ رویوں نے ان کا دل ان کی طرف سے کدورت سے بھر دیا تھا اور ابوبکر کے ساتھ یہاں چلی آئی تھی اور ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ انہوں نے بھی کوئی رابطہ نہ کیا تھا ان کا غصہ وقتی تھا۔ ہر ماں کا غصہ و خفگی وقتی ہوتی ہے کوئی ماں اپنی اولاد سے لمبا عرصہ ناراض نہیں رہ سکتی۔

ان کا غصہ بھی آہستہ آہستہ از خود اترتا گیا اور ان کی سماعتیں منتظر رہا کرتی تھیں، بچوں کی طرف سے آنے والی کالز کی' اب وہاں سے فون آنے لگے تھے اور ان کا دل یہاں سے اچاٹ ہونے لگا تھا مگر ابوبکر سے نہیں کہہ پا رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی اللہ نے ان کی سن لی' ابوبکر کو بزنس کے سلسلے میں کراچی جانا پڑ گیا تھا ساتھ انہیں اور جنت کو بھی لے جا رہا تھا۔

''نانی..... جان..... وہاں جانے کا جب سے آپ نے سنا ہے۔ آپ کے چہرے کی خوشی بتا رہی ہے آپ کتنا خوش ہیں۔'' کافی دنوں بعد ان کے چہرے کو خوشی سے چمکتے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ آپ ان کو یاد کر رہی ہیں' میں آپ کو وہاں چھوڑ آتا۔ کس قدر گلٹی فیل کر رہا ہوں میں یہ سوچ کر کہ آپ میری خاطر خود سے لڑتی رہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے میرے بچے..... تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، جتنی محبت تم مجھ سے کرتے ہو میرا خیال رکھتے ہو' ایسی محبت اور ایسا خیال وہ سب مل کر بھی نہیں کر سکتے جتنے تم تنہا کرتے ہو۔

دراصل بڑی بہو نے جب سے ہارون کی طبیعت کے بارے میں بتایا ہے۔ میرا دل نہیں لگ رہا، اللہ جانے ایسا کیا ہوا ہے جو وہ ذہنی مریض بن گیا ہے' ہارون کے ذکر پر اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا تھا۔

''ہٹ دھرمی وضدی وہ شروع سے تھا' نفیسہ کو لاکھ دفعہ سمجھایا کہ اس کی ہٹ دھرمی نہیں مانا کرو' بے جا ضدیں پوری نہ کیا کرو' اس طرح بچے کو اپنی منوانے کی عادت پڑ جاتی ہے جو بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتی جاتی ہے لیکن نصیحت کرنے والے لوگ ہمیشہ ہی کانٹوں کی طرح سے چبھتے ہیں۔ نفیسہ بھی مجھے اپنا اور ہارون کا دشمن سمجھنے لگی تھی' وہ سمجھتی تھی میں صرف تم سے محبت کرتی ہوں' ہارون یا کسی اور بچے سے مجھے محبت نہیں اور یہی خیال اکثر ریاب بھی ظاہر کیا کرتی تھی' خیر وہ اپنی کرنی کا پھل کاٹ رہی ہیں۔ میں نے کل بھی اپنے بچوں سے محبت کی تھی اور آج بھی کرتی ہوں۔ کوئی بدنصیب عورت ہی ہوگی جو اپنے خون کی اپنی نسل کی دشمن ہوگی۔'' وہ تاسف زدہ لہجے میں بولیں۔

''آپ شاہ پیلس میں رہیں گی؟'' معاً وہ چونک کر استفسار کرنے لگا۔

''تم وہاں نہیں رہو گے کیا؟ میں نے تمہاری انیکسی بھی ڈیکوریٹ کروادی ہے۔''

''سوری نانی جان! میں وہاں رہنا نہیں چاہتا اور آپ بھی ان سے مل کر آئیے گا رہیں گی آپ میرے ساتھ کلفٹن والے اپارٹمنٹ میں۔''

''تم وہاں کیوں رہنا نہیں چاہتے؟'' وہ پریشان ہونے لگیں۔

''پلیز.....اب کیا بتاؤں آپ کو سب معلوم ہے۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''سچ صرف اللہ کو معلوم ہے اور وہی حق پر فیصلہ کرے گا' اگر وہاں تم رہنا نہیں چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی' تم جنت کے ساتھ جہاں چاہے رہ سکتے ہو۔''

وہ میرے ساتھ نہیں آپ کے ساتھ رہے گی۔''

وہ نکاح میں تمہارے آئی ہے میرے نہیں' تم اسے اپنے ساتھ ہی رکھو گے۔''

''وہاں آپ کا خیال کون رکھے گا؟'' وہ جز بز ہو رہا تھا۔

''رمضان ہے میرے ساتھ پھر وہاں پرانی ملازمائیں ہیں وہ اچھے سے میرا خیال رکھ سکتی ہیں۔ تم بالکل بھی جنت کو میرے پاس چھوڑنے کی حماقت نہیں کرنا' میں نہیں چاہتی تمہاری ناکام ازدواجی زندگی کا تماشا وہ لوگ بھی دیکھیں جو تمہاری ناکامیوں کی دعائیں کرتے ہیں وہ خوش ہو جائیں گے۔'' ان کی آخری بات اس کے دل کو لگی تھی وہاں ایسے لوگ تھے اس کی خوشی سے جلنے والے اس کے دکھ پر خوش ہونے والے۔

''سامان سارا جنت نے رمضان کے ساتھ مل کر پیک کروالیا ہے' کل کی فلائٹ ہے۔ میں چاہتی ہوں جنت کو اس کی ماں کے پاس بھیج دوں' آج سارا دن وہ ماں اور بہن کے ساتھ گزارے پھر نا معلوم کب ملنا ہوا ان کا۔''

''جو آپ کی مرضی مجھے ذرا کچھ کام نبٹانے ہیں دیر ہو جائے گی مجھے واپسی میں۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ ڈنر کر لیجیے گا' میرا انتظار مت کیجیے گا آپ کو میڈیسن لینی ہوتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے فکر مت کرو' میرا خیال رکھنے کے لیے جنت موجود ہے اس بچی کو نیند میں بھی میرا خیال اور میری فکر ہوتی ہے۔ ایک لمحہ غافل نہیں ہوتی۔''

''ماشاء اللہ آپ کی اور اس کی محبت نے لیلیٰ مجنوں کی داستان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ مجنوں کی زبان پر بھی لیلیٰ کا اتنا نام نہ رہا ہوگا' جتنا آپ کے لبوں پر جنت جنت رہتا ہے۔ صبح و شام دن و رات، سوتے جاگتے بس ایک یہی نام پکارتے ہوئے آپ قطعی بور نہیں ہوتی۔'' اس کا لہجہ شکایتی انداز لیے ہوئے تھا۔

''جب محبت غرض و طمع سے پاک ہوتی ہے تو دل کے ہی نہیں روح کے رشتے بھی آپس میں مربوط ہو جاتے ہیں اور پھر دل سے ازخود صدا نکلتی ہے محبت کسی کو اپنا بنا لیتی ہے یا کسی کی ہو جاتی ہے اب تم اس کو لیلیٰ مجنوں اور شریں فرہاد کی محبت سمجھو یا کچھ بھی، اصل جیت کسی کو اپنا بنا کر ملتی ہے نہ کہ بلاوجہ کسی پر تنقید کر کے دل جلا کر منفی جذبے ہمیشہ انسان کو بے چین و بے سکون رکھتے ہیں۔'' انہوں نے شکوہ جواب شکوہ کر دیا تھا۔

''مجھے چڑ ہے اس بات سے کہ آپ میرے علاوہ اس کو امپورٹنس دیں' میرا آپ کے سوا کون ہے اگر آپ کی محبت بھی تقسیم ہوگی تو میرے لیے کیا رہ جاتا ہے؟''

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا.....محبت سمندر کی مانند وسیع و کشادہ ہے پھر یہ بھی سوچوں جنت کا بھی میرے سوا ہے کون؟ اور اس میں چڑنے کی کیا بات ہے وہ کوئی دشمن نہیں ہے تمہاری بیوی ہے۔ کراچی جانے سے پہلے پہلے اپنا رویہ بدل لو کیوں دوسروں کو خود پر ہنسنے کا موقع دینا چاہتے ہو۔''

''اوکے نانی جان.....جو حکم آپ کا اب اجازت دیجیے۔'' اس نے خندہ پیشانی سے بحث کو سمیٹتے ہوئے ان کے آگے سر خم کیا اور انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعاؤں سے نوازا تھا۔

ہارون نے جب سے سنا تھا ابوبکر کی واپسی کا تب سے ہی وہ ایک ہنگامہ مچائے ہوئے تھا بات بے بات ہر کسی سے الجھنا اس کا وطیرہ بن گیا تھا اور اب جبکہ وہ لوگ صبح کی فلائٹ سے آ رہے تھے وہ ان کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ احسان صاحب نے جب یہ باتیں سنیں تو وہ اسے سمجھانے لگے۔

''ہارون.....ابوبکر اس گھر میں نہ آئے تمہاری یہ ضد بے کار نا قابل قبول ہے یہاں جتنا حق تمہارا ہے اتنا ہی ابوبکر کا بھی ہے۔''

''میری شادی شدہ زندگی اس کی وجہ سے برباد ہو رہی ہے' ادینہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ اور میں اسے یہاں شادی کی خوشیاں منانے دوں گا نو نیور۔''

''اپنی شادی شدہ زندگی تم خود برباد کر رہے ہو' ادینہ تمہارے برے سلوک کی وجہ سے تمہیں چھوڑ کر گئی

ہے۔ ذرا اپنے رویوں پر بھی غور کرو تم۔"

"میرا رویہ برا نہیں ہے نہ میں نے کچھ غلط کیا ہے' میں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ادینہ سے شادی کی' اس کو اپنی عزت بنایا۔"

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو کہیں ایسا نہ ہو آج کی خوشی کل کا پچھتاوا نہ بن جائے لیکن اس وقت تم نے میری ایک نہ سنی اور کل کی خوشی آج کا پچھتاوا بن گئی ہے۔ ادینہ تمہارے گلے میں پھنسی وہ ہڈی بن گئی ہے جو نہ نگل پا رہے ہو نہ اُگل رہے ہو۔"

"یہ سب ابوبکر کی وجہ سے ہو رہا ہے وہ جب تک زندہ رہے گا یہ سب ہوتا رہے گا۔ وہ مر جائے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور میں اسے مار دوں گا۔" اس کے انداز میں عجیب سی وحشت تھی' وہاں موجود نفیسہ نے پریشان نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر غصہ چھانے لگا تھا۔

"ہارون.....! کچھ نہ کچھ غلط ہوا ہے تم سے' جب ہم کچھ غلط کرتے ہیں تب ہی ہمارے ساتھ بھی غلط ہوتا ہے۔ تم اپنے ضمیر کو ٹٹولو' یاد کرو تم نے کوئی برا کام تو نہیں کیا؟ انجانے میں ہی سہی کسی کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کر بیٹھے ہو؟" ان کے الفاظ اس کو اپنے منہ پر طمانچوں کی مانند لگے تھے۔ آن واحد میں اسے وہ سب یاد آتا چلا گیا جو ادینہ کو حاصل کرنے کے لیے اس نے کیا تھا اور وردہ کے ساتھ مل کر اس کے خلاف جو کھیل کھیلا تھا اس سے ساری حدیں یاد آ گئی تھیں۔

"نہیں..... نہیں میں نے کوئی زیادتی نہیں کی اس کے ساتھ' کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ میں نے کچھ نہیں کیا..... کچھ نہیں کیا۔" وہ ان جملوں کو دہراتا ہوا وہاں سے چلا گیا' وہ دونوں کھڑے رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

صبح ان کی روانگی تھی' ساری پیکنگ وہ کر چکی تھی۔ اماں بی نے شام میں ڈرائیور کے ہمراہ سے چھوٹی ماں سے ملنے جانے کا کہا تھا تب ہی ڈرائیور نے بتایا کہ وہ لوگ وہاں سے گھر بیچ کر جا چکے ہیں اور کہاں گئے ہیں یہ کسی کو بھی بتا کر نہیں گئے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ ملال و رنج سے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"ایسے سنگدل اور بے حس لوگوں کے لیے یہ انمول موتی لٹانا اچھا نہیں ہے مت روؤ ان لوگوں کے لیے یوں رونا تمہارے آنسوؤں کی توہین ہے۔" وہ اسے روتے ہوئے دیکھ کر سینے سے لگاتی ہوئی رسانیت سے گویا ہوئیں۔

"وہ کہاں گئیں اور کیوں گئیں مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا؟"

"بھاڑ میں جائے کم بخت عورت دغابازی و مکاری تو اس کی رگ رگ میں بھری تھی۔ کوئی سازش ہی ہو گی اس کے ذہن میں جبھی چوروں کی طرف بھاگی ہے' بیٹی اور داماد کو لے کر تم پروا مت کرو میں ہوں تمہارے ساتھ۔" اماں بی کی محبت کا کوئی ثانی نہ تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جس نے سوتیلے رشتوں کو سوتیلا کبھی نہ سمجھا

تھا پھر وہ بوجھل دل کے ساتھ ان سے چھپ کر روتی رہی تھی۔ رات کھانے پر ابوبکر موجود تھا وہ خلاف توقع اپنا کام نبٹا کر آ گیا تھا۔ اس کی گریہ زاری سے سوجی آنکھیں اور سرخ چہرہ دیکھ کر وہ اس کے رونے کا سبب سے بے ساختہ اماں بی سے پوچھ بیٹھا تھا۔

"وہ لوگ نامعلوم کیوں گھر فروخت کر کے کہیں چلے گئے ہیں اور کہاں گئے ہیں' یہ بھی کسی کو معلوم نہیں اور جب سے سنا ہے بچی روئے جا رہی ہے اسے ان لوگوں نے سگا کبھی نہیں سمجھا لیکن جنت نے انہیں ماں اور بہن سمجھا' جبھی اسے قرار نہیں آ رہا۔" جنت وہاں موجود نہیں تھی وہ ڈنر کے بعد ان کے ساتھ کمرے میں آ گیا تھا۔

"اوہ..... یہ بات ہے میں سمجھا پتہ نہیں کیا ہو گیا۔" اس نے کہا اور یہ ہرگز نہیں بتایا کہ وہ ان کو ایک بڑی رقم دے کر آیا تھا۔ ایئرپورٹ پر احسان صاحب انہیں ریسیو کرنے آئے تھے، وہ اس سے اور اماں بھی سے محبت سے ملے تھے، جنت کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعاؤں سے نوازا تھا۔

"پہلے مجھے ہارون کی طبیعت کے بارے میں بتاؤ وہ کہاں ہے؟ ان کے لہجے میں بڑی بے تابی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" ان کے لہجے میں عجیب سی تھکن تھی۔

"بیٹا..... کیوں مجھے بہلا رہے ہو' تمہارا اترا ہوا چہرہ اور بجھا ہوا لہجہ بتا رہا ہے۔ ہارون کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے نہ جانے کیا ہوا ہے میرے بچے کو؟"

"گھر جا کر آپ خود دیکھ لیجیے گا' آئیں چلیں۔" وہ سب ساتھ ایئرپورٹ سے نکل کر پارکنگ میں آئے تھے جہاں احسان کے ڈرائیور کے علاوہ ابوبکر کا ڈرائیور بھی گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے ابوبکر کا سامان ڈگی میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ ہمارے ساتھ نہیں چل رہے ہیں؟" احسان صاحب تعجب سے گویا ہوئے۔

"نہیں ماموں جان..... ہم اپارٹمنٹ جا رہے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"نئی نویلی بہو ہے ہماری، ابھی گھر والوں سے ان کا تعارف بھی نہیں ہوا' کچھ عرصہ ہمارے ساتھ رہ لیں پھر بے شک آپ علیحدہ رہیے گا۔"

"ان کو علیحدہ رکھنے کا میرا فیصلہ ہے' دانشمندی یہی ہے یہ دونوں گھر سے دور رہیں میں جب چاہوں گی ان کو بلوا لوں گی۔" انہوں نے خاموش کھڑی جنت کو گلے سے لگا کر پیار کیا۔ ابوبکر کی پیشانی چومی اور کار میں بیٹھ گئی تھیں۔ آنکھوں میں نمی آنے کے باعث باہر کا منظر دھندلا گیا تھا۔ ابوبکر اور جنت ان کی کار اوجھل ہونے تک وہیں کھڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

وردہ کے باپ کی ڈیتھ اس وقت ہوئی جب وہ بارہ سال کی تھی اس کی ماں بھی آزاد خیال لبرل

عورت تھی جس نے کبھی بھی اس پر نظر نہیں رکھی تھی اور چھوٹی عمر میں ہی اس کی لڑکوں سے دوستی کو برا نہیں سمجھا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس کھیل میں ماہر ہوتی چلی گئی تھی۔ رباب سے اس کی ساری سرگرمیاں اوجھل اس لیے رہیں کہ وہ لاہور میں رہائش پذیر تھیں اور وہ کم کم ہی بچوں کے باعث لاہور جاتی تھیں تو چند دنوں کے لیے اور وہ ان کی موجودگی میں تمام دوستیاں سائیڈ پر کر دیا کرتی تھی۔ چند سال قبل ماں کے مرنے کے بعد وہ رباب کے پاس آ گئی تھی۔ یہاں وہ ابوبکر کو دیکھتے ہی اس پر فدا ہو گئی تھی مگر ابوبکر نے اسے ذرا لفٹ نہ دی تھی جس کا انتقام وہ ہارون کے ساتھ مل کر بھیانک انداز میں لے چکی تھی پھر اس کا دل ہارون پر آ گیا ادینہ کی غیر موجودگی نے اس کے حوصلوں کو اور زیادہ موقعے فراہم کیے مگر ہارون نے بھی اس کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ بار بار راز فشا کرنے کی دھمکیوں کے باوجود بھی جب وہ شادی کے لیے نہیں مانا تو اس نے ادینہ کو جا کر ان کی جھوٹ و غلط بیانیوں کی ساری سچائی بتا دی تھی۔ ادینہ کو پہلے یقین ہی نہیں آیا تھا اور جب یقین آیا تو اس نے اسے اپنے گھر سے بے عزت کر کے نکال دیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی کیونکہ جو اس نے کرنا چاہا تھا اس میں کامیاب ہو گئی تھی۔ انتقام لینے کے جنون میں اس نے اپنی عزت و رسوائی کا بھی خیال نہیں کیا تھا۔ گھر آئی تو اس کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے رباب تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھیں۔

''تم کہہ رہی تھیں شاپنگ پر جا رہی ہو' کب سے کال کر رہی ہوں، تمہارا فون بھی آف جا رہا تھا۔ اب خالی ہاتھ آ رہی ہو اندر احسان کے دوست کی بیوی اپنے بیٹے اور بیٹی کے ہمراہ آئی ہیں، تمہارا پرپوزل لے کر جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔'' وہ جتنی تیزی سے آئی تھیں، اسی تیزی سے واپس گئی تھیں۔

وہ خوشی خوشی تیار ہوتے ہوئے ہارون اور ادینہ کے درمیان نہ ختم ہونے والے فاصلے دیکھ رہی تھی۔ ہر عورت کا ظرف اتنا بلند و اعلیٰ نہیں ہوتا کہ وہ اپنا رد کیا جانا' ٹھکرائے جانا برداشت کر کے صبر کے گھونٹ پی لے۔ کچھ عورتیں وردہ جیسی بھی ہوتی ہیں جن کو معاف کرنا نہیں آتا وہ صرف بدلہ لینا جانتی ہیں اور اپنی انتقامی حس کی تسکین کے لیے حد سے گزر جاتی ہیں۔

رباب نے مہمانوں کے لیے پرتکلف اہتمام کیا ہوا تھا ایک تو وہ احسان کے دوست کی فیملی تھی اور دوسرا اعزاز یہ حاصل تھا کہ وہ وردہ کا رشتہ لائی تھیں۔ احسان کے علاوہ خالد و نفیسہ بھی وہاں موجود تھے دل میں بھری کدورت کے باعث رباب نے اماں بی کو مدعو نہ کیا تھا۔ لڑکے اور اس کی ماں کی نگاہوں میں وردہ کے لیے پسندیدگی جھلک رہی تھی لیکن اس کی بہن وردہ کو دیکھ کر کچھ چونک سی گئی تھی اور بار بار اسے دیکھتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی سعی میں لگی ہوئی تھی' وردہ سے استفسار کیا۔

''آپ کبھی لاہور گئی تھیں؟''

''میرے والدین لاہور کے ہی رہائشی تھے، میں شادی کے بعد یہاں آئی ہوں اور وردہ کی ایجوکیشن لائف لاہور میں ہی گزری ہے۔ مما کی ڈیتھ کے بعد ہم نے اسے یہاں بلوایا تھا کہ وہاں وردہ تنہا رہ گئی تھی۔''

وردہ کی جگہ رباب نے جواب دیا تھا۔

لڑکے کی بہن کے چہرے پر عجیب سا رنگ آیا تھا' اس نے جھک کر اپنی ممی سے کچھ کہا تھا۔ اس عورت نے حیرت سے وردہ کی طرف دیکھا اور معذرت کرتے ہوئے اٹھ گئے تھے لڑکے کی ماں نے غصے سے رباب سے کہا تھا۔

''ہم تو آپ کو عزت دار لوگ سمجھ کر اپنے بیٹے کا پرپوزل لائے تھے۔''

''جی..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' خالد ہکا بکا سے گویا ہوئے تھے۔

''اچھا ہوا میں اپنی بیٹی تزئین کو ساتھ لے آئی یہ لاہور میں رہتی ہیں اور ڈاکٹر ہیں آپ کی بہن اس سے ابارشن کروا کر آئی ہے اپنے شوہر کی کوئی جھوٹی کہانی سنا کر اور آپ.....'' وہ مزید کچھ کہے خاموش ہو گئیں تھیں۔ وردہ کی اٹھی ہوئی گردن جھکتی چلی گئی تھی اور ان لوگوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ رباب کبھی ان کی طرف دیکھ رہی تھیں کبھی وردہ کی طرف۔

''یہ چند سال پرانی بات ہے اور مجھے اس لیے ان کا چہرہ یاد رہا کہ ان کے جانے کے بعد مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ شاید مجھے سے ناجائز کام ہو گیا ہے۔'' جھوٹ بولنے والے سچ کا سامنا کرتے ہوئے مفلوج ہو جاتے ہیں، وہ کچھ دیر قبل کسی کے لیے گڑھا کھود کر آئی تھی اور قدرت نے اس کے لیے یہ گڑھا تیار کر دیا تھا۔ گھر میں موت کا سناٹا چھا گیا تھا' اس کی دراز رسی کھینچی جا چکی تھی۔ دوسرے کے خلاف بے تکان بولنے والی آج اپنے دفاع میں ایک لفظ نہ بول سکی تھی۔ احسان نے رباب کو کبھی تیز نگاہوں سے نہ دیکھا تھا اور اب وہ انہیں ایک لمحہ گھر میں رکھنے کو تیار نہ تھے' گھر میں ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہاں آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا' اپارٹمنٹ بہت خوب صورت اور ضروریات زندگی کی ہر سہولیات سے مزین تھا۔ دو ملازمائیں آتی تھیں اور سارا کام کر جاتی تھیں، اس نے خود کام کرنا چاہا تو ابوبکر نے جھڑک دیا تھا' وہ صرف تھوڑا بہت کچن کا کام کرتی تھی یا ابوبکر کے کام زیادہ تر اپنے ہاتھ سے کیا کرتی دو ایک بار اس نے اعتراض بھی کیا مگر پھر خاموش ہو گیا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا اماں بی کی غیر موجودگی میں وہ بولائی بولائی رہا کرتی تھی۔ کچھ کچھ ڈری سہمی اس کی خدمت میں سرگرم عمل بے اعتنائی و لاتعلقی کے باوجود اس کی بے حد پروا کرتی تھی، ہر دم خیال رکھتی تھی۔ چپکے چپکے اسے روتے ہوئے دیکھ چکا تھا وہ اماں بی کو یاد کر رہی تھی ان سے روز فون پر رابطہ ہو رہا تھا وہ ابھی یہاں آنے پر راضی نہ ہو رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف راغب ہونے لگا تھا' اس کا ایثار خاموش تابعداری اس کے دل کے بند دروازے پر دستک دینے لگی تھی۔ وہ جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا اور اسی دوران اس کے پاس ادینہ کی کال آ گئی تھی۔

ایک عرصے بعد اس کی آواز سن کر اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی اس سے

معافی مانگ رہی تھی، بہت شرمندہ و دلگیر تھی۔ وردہ اسے ساری سچائی بتا کر آئی تھی اس کی بے گناہی کی قسم کھا کر آئی تھی۔ وہ اس سے ملنے کے لیے بے تاب تھی، بے کل ہو رہی تھی پھر وہ اس سے ملنے آفس چلی آئی تھی اور پہلی بار آتے ہی اس کے گلے لگ گئی تھی، اور ہارون کے ذکر پر اس سے نفرت سے کہا تھا وہ جیسے جھوٹے اور مکار آدمی سے خلع لے لے گی۔

جنت کی نگاہوں سے بھی ان کی دوستی چھپی نہ رہ سکی تھی اور نہ ہی اس نے چھپانے کی سعی کی تھی۔ جنت کو دکھ تو بے حد ہوا تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی لیکن محبت کرنا اور محبت کروانا دونوں ہی بے اختیاری عمل ہیں لیکن یہ اس کی محبت کا عجیب رشتہ تھا کہ وہ اس سے جتنا دور ہو رہا تھا وہ اتنی ہی اسکے دل کے قریب ہونے کی لگن میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی۔ سنڈے والے دن وہ لیٹ اٹھا تھا اور ابھی ناشتے سے فارغ ہی ہوا تھا کہ ادینہ وہاں آ گئی تھی' اسے دیکھ کر وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''کیسا لگا میرا سرپرائز؟'' وہ کھلکھلاتی ہوئی اس کے گلے سے لگ گئی تھی، وہاں ناشتے کے برتن سمیٹتی ہوئی جنت یہ منظر دیکھ کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ابوبکر کا چہرہ اس کی طرف تھا ادینہ اسکے سینے سے لگی کھڑی تھی اور اس نے جنت کے چہرے پر تیزی سے پھیلتے سمیٹتے رنگوں کو بغور دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب آمیز بے یقینی تھی وہ پھر تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی اس کی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا' بہت عجیب لمحہ تھا۔

محبت سینے سے لگی کھڑی تھی اور سینے میں دھڑکتا دل کسی اور کے لیے دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک انجان سی کیفیت کا شکار تھا' بہت آہستگی سے ادینہ کو علیحدہ کیا۔

''کیا ہوا؟ میں فیل کر رہی ہوں، میں جتنا تمہارے قریب آتی ہوں تم اتنا ہی مجھ سے دور ہو جاتے ہو' کیا ابھی تک خفا ہو مجھ سے؟'' وہ اسکے چہرے کی طرف دیکھتی ہوئی پریشانی سے گویا ہوئی۔

''ابھی تم ہارون کے نکاح میں ہو اور رشتوں کے استحصال میں نے کبھی گوارا نہیں کیا ہے۔''

''میں اس سے خلع لے رہی ہوں' پاپا کے وکیل کراچی سے باہر ہو گئے ہیں وہ دو تین ہفتے بعد واپس آئیں گے تو خلع کا نوٹس ہارون کو بھجوا دوں گی۔ پھر ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوگی ہم ایک ہو جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔''

''اچھا کیا لوگی ٹھنڈا یا گرم؟'' وہ عجلت میں رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا۔

''ٹھنڈا نہ گرم..... میں لنچ کروں گی یہ لنچ کا ٹائم ہے۔'' وہ خاصی بلند آواز میں بات کر رہی تھی شاید جنت کو سنانا مقصود تھا۔ اس کی نظریں بار بار اس طرف ہی بھٹک رہی تھیں جہاں وہ ٹرالی لے کر گئی تھی۔ ابوبکر سے بے تکلفی سے ملنے کا مطلب یہی اس کو باور کرانا تھا کہ وہ اب اس کی زندگی سے نکل جائے۔

''میں ابھی ناشتے سے فارغ ہوا ہوں لنچ ہرگز نہیں کروں گا۔''

''لیکن میں کروں گی' پزا آرڈر کرو، میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔'' وہ ایزی ہو کر صوفے پر بیٹھی

تھی۔

''سوری یار..... مجھے جانا ہے ایک پارٹی سے میٹنگ ہے' ٹائم دیا ہوا ہے۔''

''ارے آج تو سنڈے ہے اور سنڈے کو بھی میٹنگ ہے' ایک دن بھی آف نہیں؟''

''سنڈے تو آف ہی ہوتا ہے آج ہی کام کی وجہ سے ارجنٹ میٹنگ رکھی ہے۔''

''اوہ پھر کب تک فری ہو گے؟'' وہ سخت بے مزہ ہوئی۔

''لیٹ نائٹ میٹنگ کے بعد ڈنر کا بھی پروگرام ہے۔''

''تم نے تو میرا موڈ ہی خراب کر کے رکھ دیا ہے' اب سارا دن میرا بور گزرے گا۔ میں یہ سوچ کر آئی تھی آج رات تک تمہارے ساتھ رہوں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے معذرت کی اور اس کے ساتھ باہر نکل گیا تھا لیکن اس کی الجھی ہوئی نگاہیں کچن کے دروازے پر مرکوز رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

اللہ ظالم کو صرف ایک حد تک ڈھیل دیتا ہے اور ظالم سمجھتے ہیں دنیا کی بادشاہت انہیں میسر آ گئی ہے، ان پر کوئی گرفت کوئی پکڑ نہیں ہے اور بے شک اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے جب اس کی پکڑ آتی ہے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ کوئی راہ فرار باقی نہیں رہتی ہے۔ چڑ پڑ چلنے والی زبان پتھر ہو جاتی ہے پھر صرف ضمیر بولتا ہے اور دل گواہی دیتا ہے۔ ایک پردہ اٹھا تھا اور ہر پردہ اٹھتا چلا گیا تھا' وردہ نے خود کو رباب سے بھی چھپا کر رکھا ہوا تھا اور جب اس کا محاسبہ ہوا تو سب کے سامنے ہر راز عیاں ہو گیا تھا۔ رباب کا رو رو کر برا حال تھا احسان ان احسان ان کو گھر میں رکھنے پر تیار نہ تھے کہ ان کی برسوں کی ساکھ لمحوں میں مٹی ہو گئی تھی وہ بھی ان کے کولیگ کی فیملی کے روبرو پھر رسوائی آگ کی مانند پھیلتی ہے اور سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ خالد صاحب کو ویسے بھی زعم تھا' وہ عزت و بے عزتی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، وردہ کے واویلا کرنے پر ابوبکر کو گھر سے دھکے دے کر نکالنے میں وہ ہی پیش پیش تھے گھر میں نہ آنے کی پابندی بھی انہوں نے ہی لگائی تھی۔

ہارون نے بھی اماں بی کی گود میں سر رکھ کر ابوبکر سے کی گئی زیادتیوں کا اعتراف کر لیا تھا۔ گھر میں ایک بھونچال آیا تھا کوئی کسی سے نگاہیں ملانے کی جرات نہیں کر رہا تھا۔ ابوبکر کو کیا کچھ نہیں کہا گیا تھا ہر طریقے سے اس کی تذلیل و اہانت کی گئی تھی۔ جو برسوں ان کے ساتھ رہا تھا اس کی کسی نے ایک نہ سنی تھی اور ایک لڑکی جس سے خون کا رشتہ تھا نہ وہ وہاں کی رہائشی تھی۔ اس کی بات کو سچ مان لیا گیا تھا' نہ کوئی گواہی طلب کی گئی تھی نہ تحقیق ہوئی تھی۔ انہوں نے چاند پر تھوکا تھا اور وہ ہی تھوک ان کے چہروں پر آن گرا تھا۔ اماں بی ابوبکر کی بے گناہی ثابت ہونے پر سجدہ شکر بجالائی تھیں تو ایک طرف وہ ہارون اور وردہ کی ان گھٹیا و فضول بہتان ترشی پر ان سے خفا بھی ہوئی تھیں مگر ان کی دگرگوں حالت کے پیش نظر ان کی ڈھال بھی ان کو ہی بننا پڑا تھا۔ احسان اور خالد انہیں گھر میں رکھنے کو راضی نہ تھے بلکہ احسان تو اس حد تک دلبرداشتہ و مشتعل ہوئے تھے کہ رباب کو طلاق

دینے پر آمادہ تھے یہاں اماں بی کے جاہ وجلال نے ان کو قابو کیا تھا۔

رباب نے وردہ کا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیا تھا اور وہ بے بس پر کٹے پرندے کی مانند پٹتی رہی تھی۔ ہر سو طوفان گزرنے کے بعد کی خاموشی نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ اماں بی نے اس کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ ان میں وردہ موجود نہیں تھی ذلت و رسوائی کی ایک کالک نے اسے اپنے کمرے تک ہی محدود کر کے رکھ دیا تھا۔ اب کوئی دوسرا کیوں اس کی پروا کرتا جب اس کی سگی بہن نے ہی اسکی پروانہ کی تھی۔ رباب خود برباد ہوتے ہوئے اماں بی کی وجہ سے بچی تھیں حالانکہ ان کے خلاف محاذ کھولنے میں وہ ہی سب سے پہلے سرگرم عمل ہوئی تھیں اور اب شرمسار ہو کر معافی مانگنے میں پہل انہوں نے ہی کی تھی پھر نفیسہ اور خالد نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔

''میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے میں نے اپنے ابوبکر کا فیصلہ اپنے اللہ کی عدالت میں دائر کیا تھا۔ بے شک اللہ سے بڑھ کر گناہ و بے گناہی کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ آج میرا بچہ بے گناہ ثابت ہو گیا ہے مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے تم سب میرے اپنے ہو ہارون..... تم نے یہ کیسے سوچ لیا تھا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی..... تم مجھے عزیز نہیں ہو؟'' انہوں نے قریب بیٹھے ہارون کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا تھا۔

''خالد سے زیادہ میں تم سے محبت کرتی ہوں، اولاد سے زیادہ اولاد کی اولاد سے محبت ہوتی ہے البتہ ابوبکر سے زیادہ لگاؤ میرا یوں ہے میرے بچے! وہ بن ماں باپ کی اولاد ہے اور عام بچوں سے زیادہ حساس و سمجھ دار جب وہ دوسرے بچوں کو والدین کے ساتھ دیکھتا تھا پھر مجھ سے سوال کرتا تھا' میرے پاپا مما کہاں ہیں؟ بس اسے احساس کمتری سے بچانے کے لیے میری توجہ اسی کی طرف زیادہ ہو گئی تھی۔ چلو اب جو ہوا سو ہوا ہماری بدگمانیوں کے دن ختم ہوئے محبت و یگانگت کے رشتوں میں پھر سے بندھ گئے ہیں۔ میری یہ بات یاد رکھنا ہمیشہ منزل ان کو ملتی ہے جو اپنے پاؤں سے چل کر راستہ عبور کرتے ہیں جو دوسروں کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچ پاتے۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں بی آپ' یہ بتایئے ابوبکر کے ساتھ جو ہم سب نے زیادتی کی ہے اس کا ازالہ کس طرح ہوگا میں تو اس کے آگے کبھی نظریں نہ اٹھا پاؤں گا۔ اسے گھر سے دھکے میں نے ہی دیئے تھے۔'' احسان سخت رنجیدہ تھے۔

''میرا بھی یہی حال ہے اماں بی! اب اس کا حل بھی آپ کو ہی نکالنا ہوگا' ہم چاہتے ہیں ابوبکر اپنی بیوی کے ہمراہ یہاں آ کر رہے اور ہم لوگوں سے اس کا دل صاف ہو جائے وہ ہم کو معاف کر دے۔'' رباب کی بات کی تائید نفیسہ بیگم نے بھی کی تھی' وہ سب ہی اس آگ میں تیل ڈالنے کے قصوروار تھے۔

''میں جانتی ہوں ابوبکر بہت بڑے ظرف کا مالک ہے وہ کبھی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے بڑے اسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوں اس کو منانا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور میں ابھی کچھ عرصہ کے لیے ابوبکر کو

کچھ بھی نہیں بتاؤں گی' یہاں سے لاعلم ہی رکھوں گی۔'' وہ عینک درست کرتی ہوئی بولیں۔

''کیوں..... ابھی بھی کوئی خفگی باقی رہ گئی ہے کیا؟'' رباب نے چونک کر کہا' وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

''نہیں نہیں، زیادتیوں کا اعتراف سچائی سے کر لیا جائے تو بھی کوئی خفگی و کدورت باقی نہیں رہتی ہے۔ سب سے اہم کام ادینہ بہو کو گھر لانا ہے۔' میں نہیں چاہتی ایک بچے کا گھر آباد ہوا اور دوسرے کا اجڑے۔''

''اماں بی..... ہم تو ادینہ کو واپس لانے کی ہر کوشش کر کے ہار گئے ہیں وہ یہاں آ کر کیا کرے گی' جب وہ ہارون کے ساتھ رہنے کو ہی تیار نہیں۔''

''پپا ٹھیک کہتے ہیں دادو..... وہ میرے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے اور میں اعتراف کرتا ہوں وہ اپنی جگہ درست ہے۔ میں نے بھی اسے پانے کے لیے حد سے تجاوز کیا تھا' جھوٹ و فریب، مکاری و حرص کیا کیا نہ کیا تھا۔ ابوبکر کی دوستی محبت و خلوص کو کند چھری سے ذبح کیا تھا۔ میرے ساتھ جتنا برا ہوا اتنا کم ہے۔'' وہ بچوں کی مانند رونے لگا تھا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''دادو..... ابوبکر سے کہیں وہ مجھے کوئی بھیانک سزا دے' ایسی سزا جو مکاریوں سے بڑھ کر وہ مجھے معاف نہ کرے یہ سزا ہر سزا سے بڑھ کر ہے۔''

ان کے جانے کے بعد وہ کچن سے باہر نکل آئی تھی لاؤنج میں بیٹھ کر جو آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے ان کو زبان مل گئی تھی۔ اسے وہ منظر نہیں بھول رہا تھا جب ادینہ بے تکلفی سے ابوبکر سے لپٹی تھی' اس کے دل پر کسی نے انگارے بچھا دیئے تھے وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی پھر اس کا رویہ یہاں آ کر بہت بدل گیا تھا۔ وہ بنا کہے اس کا خیال رکھنے لگا تھا اور آج جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا وہ اس سے بچھڑنے والا ہے اس کی محبت اس کی چاہت اسے مل گئی تھی۔ اب وہ اس کی زندگی میں کہاں تھی؟ اگر وہ اس کا خیال رکھ رہا تھا تو یہ محبت نہیں تھی' یہ ہمدردی تھی یا وہ محبت تھی جو گھر میں موجود پالتوں جانور سے بھی ہو جاتی ہے۔ جن سے محبت کی جاتی ہے ان کو چھوڑنے کا یہ خیال ہی سوہان روح ہوتا ہے۔ وہ دور ہو جائے گا۔ اس کو چھوڑ دے گا یہ خیال ہی جان نکالے دے رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنی محبت کے لاشے سے لپٹ کر روتی رہی تھی، نجانے کتنا وقت گزرا تھا۔ روتے روتے وہ نڈھال ہو کر گر گئی تھی۔

ابوبکر سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا' اس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی دیکھ کر ادینہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر استفسار کیا۔

''کیا تم ٹھیک ہو ابوبکر..... کوئی بات ہی نہیں کر رہے ہو' کیا ہوا؟''

''تمہیں جنت کے سامنے میرے قریب آنا نہیں چاہیے تھا۔ اس کی نگاہوں سے جنت کا دھواں دھواں چہرہ ہٹ نہیں رہا تھا۔

''سوہاٹ..... وہ کون ہوتی ہے جس سے میں ڈروں؟''

''آفٹر آل وہ میری بیوی ہے۔''

''اور میں..... میں کیا ہوں؟ وہ ششدر رہ گئی۔

''اب کچھ نہیں ہو۔'' اس نے کار کی اسپیڈ کم کی اور اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا تھا' سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

''کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے.....! کیا تم مجھے پانا نہیں چاہتے تھے؟''

''محبت کرتا تھا..... شادی بھی کرنا چاہتا تھا لیکن تمہاری جلد بازی، تمہاری بے اعتباری نے سب کچھ ختم کر دیا، سب مٹی کر دیا۔''

''میں نے کہا ناں تم سے معافی بھی مانگی تھی اور بتایا تھا۔ میں ہارون کے فریب میں آ گئی تھی اس نے مجھے ٹریپ کیا تھا اور پھر وہ..... وہ وردہ نے بھی سب کچھ اس طرح بتایا تھا کہ میں وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنا دفاع کر رہی تھی۔

''اس موڑ پر بھی محبت کا امتحان ہوتا ہے، یہیں سے محبت کی سچائی و گہرائی جانچی جاتی ہے تم کو ان کا فریب و جھوٹ سچ لگا تھا اور میری حقیقت تم نے جاننے کی سعی نہ کی تھی۔''

''میں مانتی ہوں ابوبکر..... مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی، ناقابل تلافی بھول ہوئی تھی اس کی سزا بھگت رہی ہوں تم مجھے معاف کر دو پلیز۔'' وہ رونے لگی، اس کی بھیگی نگاہیں اس کے وجیہہ چہرے پر تھیں۔

''میں نے معاف کر دیا ہے تمہیں اور تم مجھے بھی معاف کر دینا۔'' ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے، وقت نے ثابت کر دیا ہے میری محبت کمزور تھی۔ ہارون کی محبت زور آور تھی تب ہی تو وہ فراڈ کر کے بھی تمہیں حاصل کر بیٹھا تم سے بچھڑ کر وہ آج پاگل ہو رہا ہے۔

''یہ جھوٹ ہے' بکواس ہے میں اس آدمی کی اب صورت بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی میں اس سے طلاق لے رہی ہوں۔'' وہ زور زور سے گردن ہلاتی ہوئی چیخ کر گویا ہوئی۔

''کس کے لیے لوگی طلاق..... کیا کرو گی؟'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ہم شادی کریں گے' تم کچھ بھی کہو میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''میں پہلے سے شادی شدہ ہوں اور میں اپنے بھائی کا گھر خراب نہیں کر سکتا۔''

''بھائی..... ہونہہ..... وہ بھائی جس نے سانپ بن کر ڈسا تم کو۔''

''یہ اپنی اپنی فطرت ہے کوئی زخم لگاتا ہے کوئی مرہم میں جانتا ہوں وہ دماغی مریض نہیں ہے وہ جو دماغی مریض بن گیا ہے دراصل وہ ضمیر کی سزا بھگت رہا ہے اور ایسا ان لوگوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے جن میں کچھ اچھائی کی رمق موجود ہوتی ہے جو اپنا محاسبہ کرنا جانتے ہیں۔''

''تم کچھ بھی کہو' میں تمہیں نہیں چھوڑنے والی، تم جنت کو چھوڑ دو بس۔'' اس کے انداز میں ہٹ دھری و خود پسندی تھی۔

''میں جنت کو چھوڑ دوں..... کیوں چھوڑوں؟ تم پھر جلد بازی سے کام لے رہی ہو۔''

''تمہیں کس طرح بتاؤں میں ہارون سے محبت نہیں کرتی اور میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی، اگر تم مجھے نہیں ملے تو میں مر جاؤں گی۔ وہ اس کو منانے کی ہر ممکن سعی میں مصروف تھی۔

''میں تمہارے بغیر زندہ رہا ناں' تم بھی زندہ رہو گی۔ میں نے جنت سے شادی نانی جان کے دباؤ میں کی تھی۔ شروع شروع میں مجھے اس کی آہٹ سے بھی نفرت تھی کیونکہ تمہاری بے وفائی و بے اعتباری نے تمہاری صنف نازک سے ہی مجھے نفرت دلا دی تھی میں اس بڑا دشمن تھا.....''

''اور اب کیا ہے محبت کرنے لگے ہو اس سے؟'' اس نے بات کاٹ کر پوچھا۔

''محبت شاید اب بھی نہیں کرتا لیکن عادی ہو گیا ہوں اس کے وجود کا اس کی خدمتوں و خلوص کا۔ نانی جان نے اسے میرے بارے میں سب بتایا اور سب جان کر مجھے چھوڑنے کے بجائے پہلے سے زیادہ مجھ پر اعتبار کرنے لگی ہے' میرا خیال رکھنے لگی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''اس کے عادی ہو گئے ہو تو محبت بھی کرنے لگے ہو گے۔ ادینہ کے منہ سے انکار نکلنے لگے۔

''شاید محبت کی پہلی منزل عادی ہو جانا ہوتا ہے۔ پھر محبت بھی ہو جاتی ہو گی۔'' اس نے کار ادینہ کے گھر کی طرف موڑ دی تھی۔

وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہرگز نہیں ہے۔''

'حسن سے میں نے متاثر ہونا چھوڑ دیا ہے حسین چہروں کے پیچھے دل بڑے بدصورت ہوتے ہیں۔''

وہ اس کے گھر کے آگے کار روکتا ہوا سچائی سے آئینہ دکھا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

نہ جانے وہ کب تک نڈھال پڑی رہتی کہ اماں بی کی کال پر تڑپ اٹھی دل جو پہلے ہی زخمی زخمی تھا۔ ایک ہمدرد و غمگسار کی آواز پر وہ بھرے بادلوں کی طرح برسی تھی۔

''ارے ارے جنت..... میری بچی..... خیر تو ہے کیا ہوا' اس قدر کیوں رو رہی ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' اس کی بری طرح رونے کی آواز اماں کو سخت پریشان کر گئی تھی وہ بے چین ہو گئی تھیں۔

''اماں بی آپ آ جائیں، مجھے آپ کی بہت یاد آ رہی ہے.....''

''ہاں ہاں میں آ جاؤں گی میری بچی..... لیکن سچ سچ بتاؤ ہوا کیا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں ہوا' بس آپ آ جائیں۔'' اس کی سسکیاں ابھریں۔

''حقیقتاً ابوبکر نے کچھ کہا ہے' بلاؤ اسے کہاں ہے وہ؟''

''نہ.....نہیں انہوں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''میں نہیں مان سکتی کہ اس نے کچھ نہ کہا ہو اور تم اس طرح خوامخواہ میں تو نہیں رو سکتی ہو' بلاؤ اس بدبخت کو ابھی خبر لیتی ہوں۔''

''وہ گھر میں نہیں ہیں اور انہوں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ سنبھل کر بولی۔

''میرا دل کہہ رہا ہے کوئی نہ کوئی بات ہے تم کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے؟''

وہ اس کی ماں نہیں تھیں لیکن ماؤں جیسی تڑپ وممتا ان کے اندر درجہ اتم موجود تھی۔ وہ اسکے لیے تڑپ اٹھی تھیں، اس کو احساس ہوا کہ اپنے آنسوؤں پر اختیار رکھنا چاہیے۔ وہ ان کو ابوبکر اور ادینہ کے متعلق نہیں بتا سکتی تھی، کسی کو رسوا کرنا اس کی سرشت میں نہ تھا۔ اماں بی کو مشکل سے یقین دلایا تھا کہ ابوبکر نے اسے کچھ نہیں کہا ہے اور پھر انہوں نے جلد آنے کا کہہ کر اسے تسلیاں دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

گھر کے بڑوں کے دم سے ہی گھر میں رونق رہتی ہے' ان کے دم سے ہی رشتوں کو دوام ملتا ہے۔ کل تک دونوں بہوئیں خود بھی اماں بی کے وجود سے بے زار تھیں اور کان بھر کر شوہروں و بچوں کو بھی ان سے دور کر دیا تھا۔ آج وہ سب سے زیادہ ان کی گرویدہ تھیں ان کی محبت کا دم بھرتی تھیں۔ اماں بی نے بھی ان کی مشکلات کی کڑی دھوپ اپنی سایہ شجر میں چھپالی تھی۔ ہارون ان کی سنگت میں زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا، حالات کی کروٹوں نے جوان کے درمیان فاصلے پیدا کر دیئے تھے وہ سمٹ چکے تھے۔ وردہ کے لیے اماں بی نے اپنی ایک جاننے والی کے بیٹے کا انتخاب کیا تھا' وہ فرجاد نامی شخص چند ماہ کے جڑواں بچوں کا باپ تھا۔ اس کی بیوی زچگی میں فوت ہو چکی تھی، وہ مسقط میں مقیم تھا' ان دنوں کراچی آیا ہوا تھا۔ وردہ کی رضامندی سے یہ رشتہ قبول کیا گیا تھا اور آج سادگی سے اس کی رخصتی تھی۔ شادی کا یہ چھوٹا سا فنکشن بنگلے کے ہال روم میں ہی رکھا گیا تھا کیونکہ دلہا کی طرف سے بھی چند لوگوں نے ہی شرکت کرنی تھی اور اماں بھی نے اپنے کسی رشتے دار کو مدعو نہیں کیا تھا۔ صرف گھر کے لوگ ہی موجود تھے مصلحتاً ابوبکر کو بھی نہیں بلایا تھا۔

بارات آنے ہی والی تھی جب جنت کا فون آیا تھا۔ اس کا ٹوٹا بکھرا لہجہ بتا رہا تھا وہ بہت درد میں ہے اس کے دل کو ٹھیس لگی ہے اور یہ درد دینے والا ابوبکر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی کبھی اس کا نام نہیں لے گی خواہ گھٹ گھٹ کر مر جائے۔ انہوں نے کال کر کے ابوبکر کو خوب صلواتیں سنائی تھیں ڈانٹا تھا۔

''ایم سوری نانی جان ..... میں دوپہر سے گھر سے نکلا ہوا ہوں۔' وہ ان کو یاد دلا رہا تھا لیکن دل گواہی دے رہا تھا وہ ہی ہوا تھا جس کا ڈر تھا۔

''سب سمجھتی ہوں میں تمہاری قسموں، آج وردہ کا نکاح و رخصتی نہ ہوتی تو میں وہیں آ کر جنت کے سامنے تمہارے کان کھینچتی خیر یہاں سے فارغ ہو کر میں ادینہ بہو کو لینے جاؤں گی۔ ہارون اپنی غلطیوں پر شرمندہ

ہے وہ ساتھ جائے گا' یہاں سے نبٹ جاؤں پھر تمہارے پاس آتی ہوں میں خبر لینے۔''

''تھینکس گاڈ..... چلئے میری مرمت کرنے ہی سہی، آپ گھر تو آئیں گی۔'' وہ گھر واپسی کے لیے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

''حد ہوتی ہے ابھی بھی تم اسے رلانے سے باز نہیں آ رہے ہو' اب اپنے اندر سنجیدگی پیدا کر لو۔ یہاں بھی کایا پلٹ گئی ہے۔ میرے بچے..... دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو چکا ہے، تمہیں ہر طرح سے سرخروئی حاصل ہو گئی ہے۔'' وہ اتنی خوش تھیں کہ اسے ہر بات بتاتی چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد رباب اور نفیسہ انہیں لے کر ہال روم کی طرف چلی گئی تھیں جہاں بارات آ چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

گرد آلود ہوا کا ایک طوفان تھا جو تیزی سے پھیلا تھا۔ کار پارکنگ شیڈ میں کھڑی کرنے کے بعد دیکھا تو ہر سو گرد ہی گرد اڑ رہی تھی۔ وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا' اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو وہ پریشان کھڑی تھی، پیچھے ونڈو گلاس سے گرد آلود منظر واضح تھا۔

''کیا ہوا کیوں پریشان ہو؟'' وہ عین اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا' سینے پر بازو لپیٹے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھیں سوجی تھیں۔

''میری بچی روئی ہے بہت روئی ہے' اس کی آواز بتا رہی تھی۔ اس کا دل ٹوٹا ہے' وہ بہت دکھی ہے میں جانتی ہوں اس کے آنسوؤں کا سبب تم ہو۔'' نانی جان کی غصیلی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

''آپ گھر میں نہیں تھے' باہر طوفان آیا ہوا ہے۔''

''اور یہاں کون سا طوفان آیا تھا' سمندری طوفان۔'' اس نے آگے بڑھ کر شہادت کی انگلی اس کی گھنیری پلکوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔ ایک گھٹیا ترین الزام کے بوجھ سے اس کی روح برسوں بعد آزاد ہوئی تھی۔ اسے لگا وہ کسی پنچھی کی مانند آزاد فضاؤں میں پرواز کرنے لگا تھا۔ دنیا ایک دم سے خوب صورت ہو گئی تھی، سب کچھ خوب صورت اور نیا نیا لگ رہا تھا۔

جنت اس کی جسارت پر سٹپٹا کر رہ گئی تھی، نامعلوم کیا کرشمہ ہوا تھا ساری کی کرختگی وسنجیدگی ہوا بن کر تحلیل ہو گئی تھی۔ وہ ایک بالکل نئے روپ میں تھا' شوخ مسکراہٹ، چہرے پر گداز اور آنکھوں میں عجیب سی چمک لیے۔ اس سے وہاں کھڑا رہنا دشوار ہو رہا تھا وہ منظر سے غائب ہونا ہی چاہتی تھی کہ اس کی آنکھوں سے نکلتی روشنی کا وہ سامنا نہ کر سکی۔

''کہاں بھاگ رہی ہو؟'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے قریب تر کر لیا۔'' پہلے یہ بتاؤ نانی جان سے میری شکایت کیوں لگائی تھی؟'' وہ گویا خوشبوؤں کے حصار میں مقید ہو گئی تھی دل کی دنیا زیروزبر تھی۔'' میں نے کب رلایا تمہیں جو تم نے میری شکایت نانی جان سے کی؟''

''میں نے..... کوئی شکایت نہیں کی اماں بی سے۔'' اس کے بازوؤں میں وہ بے جان سی ہونے لگی تھی۔ دل تھا کہ دھڑکے جا رہا تھا جبکہ وہ اس اعتماد سے اس کو تھامے کھڑا تھا گویا صدیوں سے ساتھ رہا ہو۔

''اچھا یہ بتاؤ روتی کیوں تھیں؟ ادینہ کو میرے ساتھ دیکھ کر جیلسی فیل کر رہی تھیں نا..... یہی بات تھی نا؟'' وہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتا ہوا بولا۔

وہ کچھ نہیں کہہ سکی فقط آنسو اس کی زبان بن گئے تھے پھر وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر روتی چلی گئی۔ ابوبکر کے لبوں کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ وہ سنجیدہ ہوگیا چند لمحے اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کھڑکی کی کھول کر باہر دیکھنے لگا تھا۔ طوفان تھم چکا تھا' چھاجوں مینہ برسنے لگا تھا۔ تمام دھول پانی میں بہہ گئی تھی درختوں کے پتے دھل کر صاف ہو چکے تھے۔ دور دور عمارتوں سے پانی پرنالوں سے گر رہا تھا' ہر سمت جل تھل تھی۔

''آپ ناراض ہو گئے ہیں؟'' کچھ دیر تک وہ نہ پلٹا تو جنت رونا بھول کر گھبرائی ہوئی اس کی قریب آ کر گویا ہوئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے مجھے خوش ہونا چاہیے؟ اماں بی مجھ سے خفا ہیں' ان کے خیال میں میں نے تمہیں ایسے دکھ دیئے ہیں جس سے تم ڈس ہارٹ ہوئی ہو۔ میں نے کیا کیا ہے کمپرومائز کر رہا ہوں' یہی سمجھوتی ہے میری نانی جان کی غیر موجودگی میں تم سے اچھا ایٹی ٹیوڈ رکھوں' تم میری کسی بات سے ہرٹ نہ ہو۔'' وہ کھڑکی بند کرکے پردے برابر کرتا ہوا بولا۔

''ایک بات بتائیں گے آپ؟'' اس نے بھی ہمت کر کے فیصلہ کر لیا تھا۔ اس سے سیدھی و کھری بات کرنے کا سوچا اور خاصے اعتماد سے بولی تھی۔

''ہزار باتیں پوچھ سکتی ہو مگر ایک شرط پر۔''

''کیسی شرط؟'' اس نے چونک کر کہا۔

''رو رو کر مت کہنا۔'' وہ مسکرا کر گویا اور کشنز صوفے پر رکھ کر نیم دراز ہو گیا تھا اسے مسکراتے دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھا تھا۔

''میں آپ کی زندگی میں کہاں ہوں؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''ادینہ آپ کی طرف پلٹ آئی ہے' وہ آپ کی چاہت ہے'

آپ ادینہ سے شادی کر لیں گے؟'' آنکھیں چھلکنے کو پھر بے قرار ہوئیں۔

''آف کورس، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' اس نے مسکراہٹ ضبط کی۔

''پھر..... کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟''

''یہ تمہارا میٹر ہے، تم بتاؤ ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟''

امید کا آخری گھڑا بھی ڈوب گیا تھا۔ کچھ دیر قبل جو اسکے خوشگوار رویے نے آس کی ڈور تھمائی تھی وہ ایک دم ہی چھوٹ گئی تھی۔ چند سکے اپنائیت کے جو اس کی جھولی میں ڈالے گئے تھے وہ بھی گویا محبت کی خیرات ڈالی گئی تھی۔

''آپ ساتھ رکھیں گے مجھے؟'' اس کا لہجہ بھکاریوں جیسا ہو گیا تھا۔

''اگر تم ساتھ رہنا چاہو تو..... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' بلو جینز اور ملٹی کلر لائنز ٹی شرٹ میں وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ کل تک جو لب مسکراہٹ سے ناآشنا تھے آج ان پر بی دبی مسکان تھی، انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ ادینہ کے ملاپ سے اس پر بہار آ گئی تھی وہ سرتاپا بدل کر رہ گیا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو' نظر لگاؤ گی کیا؟'' وہ اس کی چوری پکڑ چکا تھا۔ اس کا دل چاہا بھاگ کر اس کے قدموں سے لپٹ جائے اور ہاتھ جوڑ کر کہے۔

''مجھے مرتے دم تک ان قدموں سے جدا نہ کرنا۔''

''ارے کیا ہوگا جنت..... جنت.....'' وہ اسے شاکڈ دیکھ کر بیٹھتا ہوا حیرانی سے پکارنے لگا۔ وہ ایک دم آگے بڑھی اور اسکے پیروں سے لپٹ کر بولی۔

''میں آپ کی اور ادینہ کی خدمت کروں گی، آپ دونوں کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی بس آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ کبھی مجھے خود سے جدا نہیں کریں گے آپ سے دور رہ کر میں مر جاؤں گی۔'' وہ کارپٹ پر بیٹھی اس کی ٹانگوں سے لپٹی ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی اس نے جھک کر اسے بازوؤں سے تھاما اور اپنے قریب کر لیا۔

''تم سیریس ہو گئی ہو تو میں بتا رہا ہوں' وہ سب محض مذاق تھا۔ ادینہ میری زندگی میں سے اسی وقت نکل گئی تھی جب اس نے میرے آگے ہارون کے جھوٹ کو سچ سمجھا تھا اور جب کوئی دل سے ایک بار نکل جائے تو ہمیشہ کے لیے نکل جاتا ہے۔''

''پھر آج وہ آپ سے جس انداز میں ملی تھی اس کا مطلب کیا تھا؟'' اس کا لہجہ عام روایتی بیوی والے شک سے بھرپور تھا۔

''وہ شاید مجھے یہ باور کرانا چاہ رہی تھی کہ اسے مجھ پر کس قدر اعتماد ہے وہ مجھ پر کتنا بھروسہ کرتی ہے لیکن وقت گزرنے کے بعد ہر تدبیر الٹ جاتی ہے وہ میرے پاس آئی اور میں نے اسے آنے دیا تاکہ وہ اپنے کی بات مجھ سے کر سکے کیونکہ اس نے مجھے موقع نہیں دیا تھا' ڈائریکٹ سزا سنا دی تھی۔ میں نے اسے موقع دیا دل کی بات کہنے کا اور آج اسے بتا دیا ہے۔'' وہ اس کے بھیگے بھیگے چہرے کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ ''اس کے اور میرے راستے جدا ہیں، میں وہ بے غیرت بھائی نہیں ہوں جو بھائی کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر بسا لے۔ میں جانتا ہوں ہارون کی طرف سے میرے دل میں کبیدگی ضرور ہے لیکن میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو اپنی انا کی خاطر کسی کو بیچ چوراہے پر ذلیل کریں۔ میں انتقام لینے سے زیادہ معاف کرنے کو پسند کرتا ہوں۔''

''آپ ہارون بھائی کو بھی معاف کر دیں نا۔''

''ابھی نہیں ابھی کچھ وقت لگے گا میں اسے معاف ضرور کروں گا مگر کچھ وقت کے بعد تا کہ وہ پھر کسی کے ساتھ ایسا نہ کر سکے۔'' ان کے درمیان گھمبیر خاموشی طاری ہوگئی تھی۔

''میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔'' وہ اس کو جاتے ہوئے دیکھتا سوچ رہا تھا کہ کتنی آسانی سے وہ مان گئی اور کتنی ٹوٹ کر محبت کرتی ہے اس سے جو ادینہ کو سوکن کے روپ میں بھی برداشت کرنے کو تیار تھی۔ اس نے سنا تھا عورت سب کچھ برداشت کر لیتی ہے مگر دوسری عورت برداشت نہیں کرتی۔

''تم نے پوچھا تھا تم میری زندگی میں کہاں ہو؟'' وہ اس کے پاس کچن میں چلا آیا۔ وہ نکٹس فرائی کرتے ہوئے چونکی۔

''پہلے تم مجھے بتاؤ میں تمہاری زندگی میں کہاں ہوں؟''

شرم کی گہری سرخی اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی، دھیمی شرگیں مسکراہٹ اس کے گلابی لبوں کا احاطہ کرنے لگی تھی۔

''دیکھو اس طرح نظریں چرانے سے کام نہیں چلے گا۔'' پہلے تمہیں بتانا ہوگا کہ میں تمہاری زندگی میں کہاں ہوں' ہوں بھی یا نہیں؟''

''آہ..... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ گویا تڑپ کر مڑی۔

''آپ میری زندگی میں کیسے نہیں ہیں میری زندگی آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتی ہے ابوبکر!'' وہ اس سے اگلوانے میں کامیاب ہوگیا تھا پھر اس کا خفت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہوگا ہاں یہ ضروری کہوں گا میں اب تمہارے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں تمہارا عادی ہو گیا ہوں، یہ عادت محبت میں کب بدل جائے معلوم نہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے جنت کے ہاتھ تھام کر اسے اپنائیت کا مان دیا تھا۔

.....ختم شدہ.....